ماہنامہ

ہمدرد

نونہال

فروری ۱۹۸۸

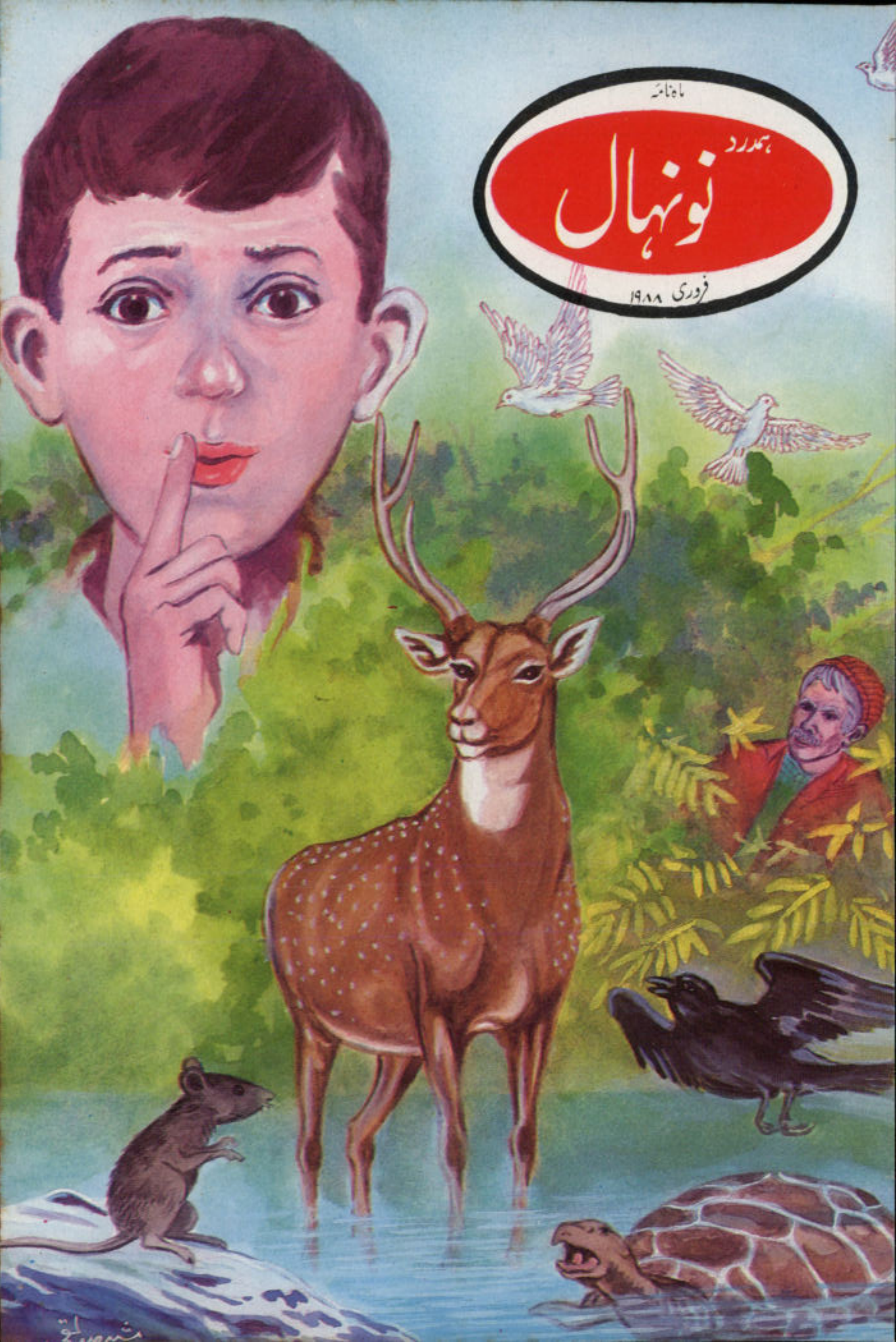

SCAN K.T.F.

Interflow FS-2 87

UNION INTRODUCES ANOTHER QUALITY PRODUCT

TOFFEES
REAL CHEWY CANDY

UNION The Biggest name in wholesome taste

Midas Khi

Spread Some Chocolate Around

chocolla

SPREAD GOOD HEALTH ON BREAD

Chocolate Spread is a dependably fresh'n delicious'n nutritious food made from the pure natural goodness of finest cocoa beans. Be it breakfast or tea time,snack at home or at school, chocolla is the sandwich food most children will prefer. They'll love its smooth chocolatey taste. It is just right for the rest of the family, too. Any time!

chocolla – Fresh to the last spread.Tastes as good as it looks

Store in a cool Dry Place (Do not refrigerate).

Makes your cakes even more delicious conveniently just by spreading chocolla either between layers or on top of cakes.

The tastiest thing ever happened to Ice cream! That's Chocolate Mix or Top Up with Chocolla and enjoy the biggest taste.

It's a whole new experience in taste when chocolla is spread on biscuits and rusks... The yummiest dressing.

Chocolate Taste and flavour make Pudding Custard, and all desserts so delicious... You can actually enjoy the temptation.

MAXIM

1/87

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

فون: 616001 سے 616005 (پانچ لائنیں)

ہمدرد نونہال

جلد ۳۷
شمارہ ۲

ISSN 0259-3734

جمادی الثانی ۱۴۰۸ ہجری فروری ۱۹۸۸ء

مجلس ادارت

صدر مجلس

حکیم محمد سعید

مدیر اعلا

مسعود احمد برکاتی

مدیرۂ اعزازی

سعدیہ راشد

قرآن کریم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں اور ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

سالانہ ــــ ۴۵ روپے سالانہ (رجسٹری سے) ۸۱ روپے فی شمارہ ــــ ۴ روپے

پتا: ہمدرد نونہال ہمدرد ڈاک خانہ ناظم آباد، کراچی ۱۸

ہمدرد فاؤنڈیشن (پاکستان) نے نونہالوں کی تعلیم و تربیت اور صحت و مسرت کے لیے شائع کیا۔

اس رسالے میں کیا ہے؟

- جاگو جگاؤ — ۵ — جناب حکیم محمد سعید
- پہلی بات — ۶ — مسعود احمد برکاتی
- بچے اور امن (نظم) — ۷ — جناب قمر ہاشمی
- خیال کے پھول — ۸ — ننھے گل چیں
- محبت کی بات — ۹ — جناب عتیق الرحمٰن صدیقی
- برش کا کارنامہ — ۱۱ — جناب سراج
- غالب کی باتیں — ۱۹ — جناب مرزا ظفر بیگ
- آج کا دن — ۲۳ — جناب فعض لودھیانوی
- کارٹون — ۲۴ — جناب مشتاق
- تحفے — ۲۵ — باذوق نونہال
- طب کی روشنی میں — ۲۹ — جناب حکیم محمد سعید
- دوستی — ۳۳ — آنسہ شگفتہ جعفری
- چوتھا کہاں گیا؟ — ۴۱ — جناب اشرف نوشاہی
- میری گڑیا (نظم) — ۴۵ — جناب تحسین فطرت
- ماشا کی کہانی — ۴۶ — ساجدہ اور وزیر حسین
- ہمدرد انسائکلو پیڈیا — ۴۹ — جناب علی ناصر زیدی
- اخبارِ نونہال — ۵۲ — ننھے صحافی
- بزمِ ہمدرد نونہال — ۵۳ — محترمہ شہلا
- معلوماتِ عامہ ۲۶۲ — ۶۰ — ادارہ
- سورج، چاند، ستارے... — ۶۲ — محترمہ عفت گل اعزاز
- ایتوبیوں کا راز — ۶۸ — جناب سراج
- نونہال مصور — ۷۵ — ننھے آرٹسٹ
- فیصل آباد — ۷۷ — رانا محمد اویس خاں
- مسکراتے رہو — ۸۱ — ننھے مزاح نگار
- نونہال ادیب — ۸۵ — ننھے لکھنے والے
- صحت مند نونہال — ۱۰۳ — ادارہ
- قارئین کی عدالت — ۱۰۵ — نونہال پڑھنے والے
- معلوماتِ عامہ ۲۶۰ — ۱۱۰ — ادارہ
- اس شمارے کے مشکل الفاظ — ۱۱۲ — ادارہ

□

اس رسالے کی تمام کہانیوں کے کردار اور واقعات فرضی ہیں۔ ان میں سے کسی کی کسی حقیقی شخص یا واقعے سے مطابقت محض اتفاقی ہو سکتی ہے جس کے لیے ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا۔

حکیم محمد سعید پبلشر نے ماس پرنٹرز کراچی سے چھپوا کر ادارۂ مطبوعات ہمدرد ناظم آباد کراچی نمبر ۱۸ سے شائع کیا

آوازِ اخلاق

جاگو جگاؤ

مسلمان تاجر بہترین تاجر ہوتا ہے۔ وہ کھرا اور بے عیب مال فروخت کرتا ہے اور اس کے مال میں کوئی خامی یا کم زوری ہوتی ہے تو وہ گاہک کو صاف بتا دیتا ہے۔ وہ اپنے مال کے عیب کو چھپاتا نہیں۔ وہ خراب چیز کو عمدہ کہہ کر بیچنے سے یہ بہتر سمجھتا ہے کہ نہ بیچے۔ مال بیچنے میں بے شک اس کا فائدہ ہوتا ہے، لیکن وہ اپنا ایسا فائدہ نہیں چاہتا جس میں دوسروں کا نقصان ہو یا اس کو بعد میں تکلیف ہو۔ مسلمان تاجر کسی کو دُکھ دینا نہیں چاہتا۔

سرکارِ دوعالم، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

" دھوکے باز، بخیل اور احسان جتانے والا آدمی جنّت میں نہیں جائے گا۔"

مسلمان تاجر نفع بھی زیادہ نہیں لیتا۔ مناسب نفع لیتا ہے۔ آج کل تاجر اپنی چیزیں بہت مہنگی بیچ کر سمجھتے ہیں کہ وہ اچھے تاجر ہیں اور کام یاب ہیں، لیکن حد سے زیادہ منافع لینا بھی دھوکا دینے کے برابر ہے، کیوں کہ اس کے لیے تاجر کو جھوٹ بولنا پڑتا ہے اور اپنی چیز کی جھوٹی تعریف کرنی پڑتی ہے۔

زیادہ نفع لینے سے مہنگائی بڑھتی ہے۔ جو تاجر کپڑا مہنگا بیچتا ہے وہ جب گوشت ترکاری لینے جاتا ہے تو وہ اُس کو مہنگی ملتی ہے۔ مہنگی چیزیں خریدنے کے لیے تاجر اپنی چیز کی اور زیادہ قیمت بڑھاتا ہے۔ اس طرح ایسا چکّر چلتا ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا اور اس سے سب ہی پریشان ہوتے ہیں۔

تمھارا دوست اور ہمدرد

حکیم محمد سعید

پہلی بات

مسعود احمد برکاتی

۱۹۸۸ء کا دوسرا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے! جنوری کا شمارہ آپ کو پسند آیا۔ خوشی ہوئی۔ کیوں خوشی ہوئی؟ اس لیے کہ اپنی خوشی سے زیادہ دوسروں کی خوشی کے لیے کام کرنا چاہیے۔ ہمدرد نونہال پڑھ کر آپ کو خوشی ہوتی ہے، اس سے بڑھ کر خوشی کی اور کیا بات ہو گی۔

اب نونہالوں کی اچھی اچھی تحریریں بڑوں کے صفحات میں بھی شائع ہونے لگی ہیں۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ نونہال اگر محنت کریں تو وہ بھی بڑے اور اچھے کام کر سکتے ہیں۔

ایک بات پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ نونہال اپنی تحریریں صاف اور خوش خط لکھیں تو ان کو پڑھنے میں آسانی ہوتی ہے۔ ویسے بھی خوش خطی اور صفائی بڑی خوبی ہے۔ جہاں تک ہو سکے کالی یا نیلی روشنائی سے لکھنا چاہیے، سُرخ اور ہرے رنگ کے قلم سے لکھی ہوئی تحریر پڑھنے میں دِقّت ہوتی ہے۔

صحت مند نونہالوں کی تصویریں اس لیے شائع کی جاتی ہیں کہ نونہالوں کو اپنی صحت کا خیال پیدا ہو۔

"نونہال مصوّر" کے لیے نونہالوں نے شاید آج کل محنت کرنی چھوڑ دی ہے۔ خوب محنت کر کے تصویریں بناؤ اور بھیجو۔ آیندہ سے جس مہینے اچھی تصویریں ہمیں نہیں ملیں گی ہم اس مہینے "نونہال مصوّر" کا صفحہ غائب کر دیں گے۔

بعض بچّوں نے لکھا ہے کہ مشکل الفاظ میں یہ لکھنا بند کر دیا گیا ہے کہ کِس زبان کا لفظ ہے۔ اصل میں جو لفظ اردو میں استعمال ہوتا ہے وہ کسی زبان سے آیا ہو وہ اردو ہی کا لفظ ہو جاتا ہے۔ اردو میں کِس زبان سے وہ لفظ آیا، یہ بات نونہالوں کو بعد میں جب وہ اعلا تعلیم حاصل کر لیں گے معلوم ہو جائے گی۔

بچّے اور امن

قمر ہاشمی

صبح کا آفتاب ہیں بچّے
خوب صورت گلاب ہیں بچّے
بزمِ امکاں کا خواب ہیں بچّے
رنگ اور روشنی کے پروانے
امن اور آشتی کے دیوانے

زندگی کا سفینہ ہیں بچّے
دوستی کا قرینہ ہیں بچّے
امنِ عالم کا زینہ ہیں بچّے
اپنے پرچم ہوا میں لہرا دو
ساری دنیا کے پُرسکوں بچّو!

رونقیں ہیں گھروں کی بچّوں سے
کھیلتی کودتی بہاروں سے
گونج سے قہقہوں کی نغموں سے
امن اور آشتی کے متوالو
ایٹمی بم تباہ کر ڈالو

تہ و بالا ہیں آسمان و زمین
آدمی کے لہو سے ہیں رنگین
جنگ انسانیت کی ہے توہین
اسلحے کے نہ لگنے دو انبار
بس محبّت کا گرم ہو بازار

آدمی آدمی سے پیار کرے
امن کی راہ استوار کرے

□

خیال کے پھول

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : اللہ کی رحمت ہو اس بندے پر جو خرید و فروخت میں اور دوسروں سے اپنا حق وصول کرنے میں نرم ہو۔

مرسلہ : وسیم شفیق ، کراچی

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : جانتے ہو کہ قیامت کے دن اللہ کے سائے میں سب سے پہلے جگہ پانے والے کون لوگ ہوں گے؟ وہ جن کا یہ حال رہا کہ جب بھی حق اُن کے سامنے پیش کیا گیا تو انھوں نے مان لیا اور جب بھی اُن سے حق مانگا گیا تو انھوں نے کُھلے دل سے دیا اور دوسروں کے معاملے میں وہ فیصلہ کیا جو وہ خود اپنے معاملے میں چاہتے تھے۔

مرسلہ : فضیلہ حاجی عزیز

حضرت علیؓ : جو مِلنے سے خوف کھاتا ہے وہ فائدے سے محروم رہتا ہے۔

مرسلہ : سیدہ عصمت فاطمہ ، عباس پور ، آزاد کشمیر

شیخ سعدیؒ : تازہ لگا ہوا پیڑ ایک آدمی کے ہاتھوں اُکھڑ جاتا ہے ، لیکن جب وہی پیڑ بڑھتے بڑھتے جڑ پکڑ لیتا ہے تو اُسے اُکھاڑنا مشکل ہو جاتا ہے۔

مرسلہ : نسرین الیاس ، کراچی

ٹیگور : سحر نے آسمان سے فریاد کی کہ مجھ سے میری شبنم چھین لی گئی ہے۔ اسے کیا خبر تھی کہ آسمان اپنے ستارے کھو چکا ہے۔

مرسلہ : حامد علی شاہد ، لادہ

گوئٹے : جو شخص اپنے ارادے کا پکا ہو وہ دُنیا کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال سکتا ہے۔

مرسلہ : شہان حمیدی ، کراچی

برنارڈ شا : اپنی صحت اور تن درستی کے لیے شام کو فٹ بال ، ٹینس اور پولو کھیلنے والو! تم دیہاتوں میں جا کر اُن کسانوں کا ہاتھ کیوں نہیں بٹاتے جن کے جسم محنت کی زیادتی سے چُور چُور ہیں۔

مرسلہ : سید مظہر العالم رضوی ، لانڈھی

افلاطون : وقت ایک ایسی زمین ہے جس پر محنت کے بغیر کچھ پیدا نہیں ہوتا۔ اگر محنت کی جائے تو یہ زمین پھل دینے لگتی ہے۔ اگر بے کار چھوڑ دی جائے تو اس میں خار دار جھاڑیاں اُگ آتی ہیں۔

مرسلہ : معروف زاہد ، کراچی

عتیق الرحمٰن صدیقی

محبّت کی بات

حضرت انس رضؓ ایک بلند مرتبہ صحابی گزرے ہیں۔ ایک دفعہ ان کا گزر چند لڑکوں کے پاس سے ہُوا۔ انھوں نے ان لڑکوں کو سلام کیا اور فرمایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے پوچھا کہ اسلام میں کون سا کام ایسا ہے جو بہت ہی اچھا ہے تو آپؐ نے جواب میں کہا کہ کھانا کھلانا اور جاننے والے اور انجان اجنبی سب کو سلام کرنا۔ نبی اکرمؐ نے قسم کھا کر کہا کہ تم جنّت میں داخل نہیں ہوگے جب تک ایمان نہ لے آؤ۔ اور اس وقت تک ایمان نہ لاؤ گے جب تک آپس میں محبت نہ کرو، اور میں تمھیں ایسی بات بتاتا ہوں کہ جب تم اس پر عمل کرو گے تو آپس میں محبت کرنے لگو گے، اور وہ یہ ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو سلام کیا کرو۔

حضور اکرمؐ کے ان ارشادات سے معلوم ہُوا کہ ہم جب بھی آپس میں ملیں، ایک دوسرے کو محبّت، بھائی چارے اور امن وسلامتی کا پیغام دیں۔ یہ پیغام اس بات کی علامت ہو کہ ہم عقیدے اور سوچ کے اعتبار سے ایک ہیں اور ایک دوسرے پر اعتماد کرتے ہیں۔ یہ پیار بھرا پیغام "السلام علیکم" میں موجود ہے۔ اس کے معنی ہیں، "تم پر سلامتی ہو" یعنی اللہ تعالیٰ تمھیں اپنی حفاظت میں رکھے اور تمھیں کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ کتنا مختصر، سادہ اور خوب صورت کلمہ ہے۔ دوستی اور بھائی چارے کے اظہار کے لیے اس سے بہتر لفظ کسی قوم میں موجود نہیں۔

اسلام میں اس کلمے کا استعمال بہت پُرانا ہے۔ جتنے انبیاءؑ بھی دنیا میں تشریف لائے ان کی مبارک زبان سے یہ الفاظ ادا ہوتے رہے۔ ہماری پاکیزہ کتاب قرآن مجید اس بات کی گواہی دیتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کلمے میں دائمی سلامتی کا راز چھپا ہُوا ہے۔ مومن یہ لفظ کہہ کر اپنے مسلمان بھائی کے لیے ایسی سلامتی کے لیے دعا کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں پر نازل ہوتی ہے۔ ایک انسان کو جو بہتر سے بہتر دعا دی جاسکتی ہے وہ سلامتی کی دعا ہے۔ اس میں جان ومال، آل واولاد اور دنیا و آخرت گویا ہر قسم کی سلامتی شامل ہے۔ جب ایک شخص نے دوسرے کے سامنے السلام علیکم کہہ دیا اور اس نے وعلیکم السلام سے اس کا جواب دے دیا تو اس کا صاف مطلب یہ ہُوا کہ دونوں میں، میں اور تُو کا فرق

اُٹھ گیا اور وہ بھائی بھائی بن گئے۔ جس نے سلام قبول نہ کیا تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس نے اس کے اسلام کو بھی تسلیم نہیں کیا۔

پُرانے زمانے میں جب دو آدمی آپس میں ملتے تھے تو ایک دوسرے سے خوف زدہ ہوتے تھے کہ کہیں کوئی دُشمن نہ ہو، مگر یہ کلمہ ادا کرتے ہی دونوں کے سینوں میں پیار و محبّت پیدا ہوجاتاہے۔ وہ آپس میں محبّت کی ایک کشش محسوس کرتے ہیں۔

حضور اکرمؐ ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے تو سب سے پہلے لوگوں کو جو تعلیم دی وہ یہ تھی:

" لوگو ! آپس میں سلام کو پھیلاؤ، کھانا کھلاؤ اور جب تمام لوگ سو رہے ہوں تو نماز پڑھو۔ یہ سب کروگے تو جنّت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو گے۔"

سلام کرنے کے لیے کسی جان پہچان کی کوئی ضرورت نہیں، مرد اور عورت کا کوئی فرق نہیں۔ بڑے اور بچّے کی تمیز نہیں، بلکہ اللہ کے نزدیک بہت اچھا شخص وہ ہے جو سلام میں پہل کرے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ چھوٹا بڑے کو، گزرنے والا بیٹھنے والے کو، چھوٹی جماعت بڑی جماعت کو اور سوار پیدل چلنے والے کو سلام کہے۔ ہر مومن کے لیے ضروری ہے کہ گھر میں داخل ہوتے وقت اور مجلس سے اُٹھ کر جاتے وقت سلام کرے۔ جس شخص کو سلام کیا جائے، اس کا فرض ہے کہ سلام کا جواب اس سے بہتر طریقے سے دے، ورنہ کم سے کم انھی الفاظ کو دُہرا دے۔ اچھے طریقے سے جواب دینے میں نیکیوں میں کئی گنا اضافہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا " اور جب تمھیں سلام کیا جائے تو تم اس سے بہتر طور پر سلام کرو یا اسی کو لوٹا دو۔" بعض صحابہ کا قول ہے کہ سلام کرنے والا اگر مسلمان ہے تو اس کا جواب زیادتی کے ساتھ دیا جائے اور اگر مسلمان نہیں تو اس کے الفاظ دُہرا دیے جائیں۔

اگر ملاقات کے وقت سلام کے ساتھ مصافحہ بھی کر لیا جائے تو اس سے سلام کے مقاصد کو زیادہ قوّت ملتی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سلام کی تکمیل ہاتھ پکڑنے یعنی مصافحہ کرنے میں ہے۔ اس سے اتفاق بڑھتا ہے اور محبّت میں اضافہ ہوتا ہے۔ پیارے نبیؐ نے یہ بھی کہا کہ مصافحہ کیا کرو، اس سے کینہ جاتا رہے گا اور تحفہ دیا کرو کہ اس سے محبّت پیدا ہوگی اور کنجوسی جاتی رہے گی۔

معلومات عامہ کے جوابات بھیجنے والوں سے درخواست ہے کہ وہ جس کاغذ پر جوابات ارسال کریں اس پر اپنا نام پتا ضرور لکھیں۔ جو نونہال اپنا مکمل نام پتا نہیں لکھیں گے اُن کی تصویر شائع نہیں کی جاسکے گی۔

بُرش کا کارنامہ

معراج

اُس دن آسمان پر گہرے سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے۔ صبح سے بارش کا سلسلہ جاری تھا۔ اسکندریہ شہر کے باہر ایک حجام کی دُکان تھی۔ ایک لڑکا جس نے کھدّر کے موٹے کپڑے پہنے ہوئے تھے کھڑکی سے جھانک کر بولا، "اوہو کتنی تیز بارش ہو رہی ہے۔ نہ جانے ابّا جان اس وقت کہاں پھنسے ہوئے بیٹھے ہوں گے"۔

یہ لڑکا رشید، حَسَن حَجّام کا بیٹا تھا۔ وہ اپنے والد کے ساتھ دکان کے اوپر چوبارے میں رہتا تھا۔ جب سے رشید کی والدہ کا انتقال ہوا تھا اس کے والِد حَسَن حجام پر دُہری ذمہ داری آپڑی تھی۔ رشید گھر کے کام کاج میں اپنے ابّو کا ہاتھ

بٹاتا۔ وہ گھر کی صفائی سُتھرائی کرتا۔ بازار سے سبزی گوشت لاتا اور برتن دھوتا۔ اس کے والد ناشتا تیار کرتے، کھانا پکاتے اور کپڑے دھوتے۔ ان دونوں نے گھر کا کام کاج آپس میں بانٹ رکھا تھا۔ وہ دونوں اچھے دوستوں کی طرح رہتے تھے۔

فارغ وقت میں رشید اپنے دوستوں کے ساتھ کھیل کود میں مصروف ہو جاتا۔ ان کے گھر سے تھوڑی دُور دریائے نیل بہ رہا تھا۔ سب بچّے دریا کے ساحل کے ساتھ ساتھ دوڑ لگاتے۔ حسن حجّام کی کچھ ملّاحوں سے دوستی تھی۔ کبھی کبھی وہ رشید کو اپنی کشتی میں بٹھا کر دریا کی سیر کروا دیتے۔

رشید کو مصوّری کا بہت شوق تھا۔ وہ کسی چیز کو غور سے دیکھتا اور گھر آکر اس کی بالکل ویسی ہی تصویر بنا دیتا۔ اس نے اپنے بہت سے دوستوں اور استادوں کی تصویریں بنائی تھیں۔ اس کی بنائی ہوئی بہت سی تصویریں اسکول کے کمروں میں لگی ہوئی تھیں۔

رشید کو دریائے نیل کا موجیں مارتا ہُوا پانی بے حد پسند تھا۔ شام کے وقت جب سورج غروب ہوتا تو آسمان پر شفق چھا جاتی اور دریا کا پانی بھی سُرخ ہو جاتا۔ رشید کو غروبِ آفتاب (سورج ڈوبنے) کا یہ منظر بے حد پسند تھا۔ وہ گھر آکر اس منظر کو کاغذ پر بناتا۔

اس شام اسے بہت سے کام کرنے تھے، لیکن بے وقت کی بارش نے سارا مزہ کرکرا کر دیا۔ اب وہ سوچنے لگا کہ کچھ اور کام کرنا چاہیے۔ اس نے اپنی کرسی کھڑکی کے نزدیک سَرکائی۔ پھر اس نے دو موم بتیاں جلائیں اور اپنے برش اور رنگوں کو ڈھونڈنے لگا۔ جہاں گھر کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ ہو وہاں چیزوں کا اِدھر اُدھر ہو جانا لازمی بات تھی، لیکن جلد ہی اسے اپنے رنگوں کا ڈبّا اور برش مل گیا۔ اس کے مُنھ سے بے ساختہ نکلا، "ارے یہ کیا ہوا؟"

واقعہ یہ تھا کہ اس کے برش کا لکڑی کا دستہ تو ٹھیک حالت میں تھا، لیکن برش کے ایک ایک بال کو کسی چُوہے نے کُتر ڈالا تھا۔ وہ روٹی کے ٹکڑوں یا مکّھن اور پنیر کی تلاش میں ادھر آیا ہو گا۔ جب اسے یہ چیزیں نہ ملیں تو اس نے برش کو کُتر ڈالا۔

اب رشید بہت پریشان ہوا۔ برش والے کی دکان وہاں سے بہت دُور تھی اور بارش میں باہر قدم نکالنا مُشکل تھا۔ اچانک اسے ایک بات سُوجھی۔ اس نے اپنے دل میں سوچا کہ میں ابّو کے برش سے تصویر میں رنگ بھر دُوں گا۔ پھر میں برش کو دھوکر اس کی جگہ پر رکھ دوں گا۔ ابّا جان کو میری اس حرکت کا بالکل پتا نہ چل سکے گا۔ بعد میں، میں کسی دِن ان سے اپنی اس حرکت کی معافی مانگ لُوں گا۔ یہ بات رشید کے دل کو ٹھیک معلوم دی۔

اُس نے اپنے والد کا بہترین برش لیا۔ پھر اس نے پینسل سے کاغذ پر تصویر بنائی۔ تصویر اس کی من پسند تھی یعنی دریاے نیل میں غروبِ آفتاب کا منظر۔ پھر وہ تصویر میں رنگ بھرنے لگا۔ اسے شوخ رنگ زیادہ پسند تھے۔ گہرا سُرخ، نارنجی، زرد اور آسمانی رنگ اسے بہت اچھّے لگتے تھے۔

وہ بہت دیر تک مسلسل کام کرتا رہا۔ جب اس نے کام ختم کیا تو اسی وقت اسے باہر گلی میں قدموں کی چاپ سُنائی دی۔ رشید نے گلی میں جھانک کر دیکھا۔ اُس کے والد اپنے کام سے واپس آرہے تھے۔ رشید نے برش کو جلدی جلدی دھویا، اُسے ایک کپڑے سے پُونچھا پھر وہ دو دو سیڑھیاں پھلانگتا ہُوا نیچے اُترا اور دکان میں داخل ہُوا۔ اس نے برش کو میز پر رکھ دیا اور اسی تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتا ہُوا اپنے کمرے میں پہنچا۔ کچھ دیر بعد اس کے والد بھی کمرے میں داخل ہوئے۔

انھوں نے چھتری ایک طرف رکھی اور بولے، "اُف توبہ۔ کیسا خراب موسم ہے۔ بارش رُکنے میں نہیں آرہی ہے"۔

رشید بولا، "جی ہاں ابّا جان، بارش کی وجہ سے میں بھی کہیں نہیں جاسکا۔ صبح سے گھر میں بیٹھے بیٹھے میں تنگ آگیا ہوں"۔

حسن حجّام نے کہا، "میرا خیال ہے کہ تم کوئی تصویر بنانے میں مصروف تھے"۔

رشید بولا، "جی ابّا جان!"۔ یہ کہہ کر وہ اپنی تازہ بنائی ہوئی تصویر اٹھا لایا اور اسے اپنے والد کے سامنے میز پر رکھ دیا۔ حسن بہت دیر تک ٹکٹکی باندھے تصویر کو دیکھتا رہا۔ پھر وہ بولا، "خوب، بہت خوب، یہ تصویر تو تم نے لاجواب بنائی

ہے"۔ پھر اُس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور کچھ رُپے نکال کر رشید کے سامنے رکھ دیے اور بولا، " تمھاری بنائی ہوئی تصویر میں نے بیس رُپے میں بیچی ہے۔ اس بارش نے کاروبار مُعطّل کر کے رکھ دیا ہے۔ اگر یہ بارش کچھ دن اور جاری رہی تو فاقوں تک نوبت آجائے گی"۔

رشید بولا، " ابّا جان! آپ کپڑے تبدیل کیجیے۔ میں آپ کے لیے کھانا گرم کر کے لاتا ہوں"۔

رشید نے جلدی جلدی کھانا گرم کیا۔ الماری سے مکّھن اور پنیر نکال کر میز پر رکھا۔ دونوں باپ بیٹے کھانا کھانے بیٹھ گئے۔ کھانا کھانے کے بعد حَسَن حجّام نے کہا، " بیٹا، کیا تم فضول خرچی، کفایت اور کنجوسی کے معنی جانتے ہو؟"

رشید بولا، " ابّا جان مجھے ان الفاظ کا مطلب نہیں آتا"۔

حسن بولا، " تم نے دو موم بتّیاں جلا رکھی ہیں۔ یہ ہے اسراف یعنی فضول خرچی۔" اس نے پھُونک مار کر ایک موم بتّی بجھا دی اور کہا، " تمھارا کام ایک موم بتّی سے نکل سکتا ہے۔ چیزوں کا صحیح اور مناسب استعمال کفایت کہلاتا ہے"۔

رشید ہنس کر بولا، " اگر ہم اس موم بتّی کو بھی بجھا دیں تو یہ کنجوسی کہلائے گی۔ کیوں ٹھیک ہے نا ابّا جان؟"

حسن حجّام آہ بھر کر بولا، " ہاں بیٹا! تم نے ٹھیک ہی کہا ہے۔ بیٹا، پیسہ کمانا بے حد مشکل ہے اور اس کو بے کار ضائع کرنا بےحد آسان ہے۔ آج جب میں امیر شریف الدّین کی داڑھی اور بال بنا کر نکلا تو چھاجوں پانی برس رہا تھا۔ میں تین دفعہ کیچڑ میں پھسَل کر گرتے گرتے بچا۔ ایک دفعہ تو میں گر ہی پڑا تھا۔ اتنی محنت مشقّت کے بعد چار رُپے ملے۔ بیٹا! اب تم خود فیصلہ کرو کہ اس رقم کو کفایَت سے خرچ کرنا چاہیے یا نہیں؟" رشید کو اپنے والد کی حالت پر بہت افسوس ہُوا۔ وہ بتانا چاہتا تھا کہ میں نے آپ کا بُرش استعمال کیا ہے۔

وہ سوچتا ہی رہ گیا۔ اس کا والد گہری نیند سو چکا تھا۔ اگلی صبح موسم بہتر ہوگیا۔ رات بھر تیز ہوا چلتی رہی۔ وہ اپنے ساتھ بادلوں کو بھی اُڑا لے گئی۔ رشید اپنے

اسکول چلا گیا۔ حسَن حجّام نے دُکان کھولی۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد ایک گاہک آگیا۔ وہ شیو کروانے کے لیے آیا تھا۔ حسن حجّام نے اسے کُرسی پر بٹھایا اور اس کی ٹھوڑی پر کریم لگائی اور پھر اس نے وہی برش اٹھایا جو اُس کے بیٹے نے پچھلی رات تصویر میں رنگ بھرنے کے لیے استعمال کیا تھا۔ حسن حجّام، گاہک کے منھ پر برش رگڑ کر جھاگ پیدا کرنے لگا۔

اچانک ہی اس نے اپنا ہاتھ روک لیا۔ جھاگ کا رنگ گہرا سُرخ ہوگیا تھا۔ وہ پریشان ہو کر بولا، "جناب! آپ کے چہرے پر کوئی زخم یا پُھنسی تو نہیں ہے؟"

گاہک بولا، "کچھ دیر پہلے تک میرا چہرہ بالکل ٹھیک تھا، لیکن اب تم اُسترے سے چھیل کر ضرور زخمی کر دو گے"۔

حسَن حجّام بولا، "میں نے ابھی تک اُسترا استعمال نہیں کیا ہے۔ حضور! اب ذرا اس آئینے میں اپنا چہرہ ملاحظہ فرمائیے"۔

حسن نے ایک چھوٹا سا آئینہ اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

اپنا چہرہ دیکھ کر گاہک غصّے سے چیخنے لگا، "ارے نالائق! تم نے میرے ساتھ کیا حرکت کی ہے؟ تمھارا صابن ضرور زہر آلود تھا۔ میرے مُنھ پر مرچیں سی لگ رہی ہیں"۔ وہ کرسی سے اُٹھ کھڑا ہُوا۔ حسَن حجّام اچانک معاملے کی تہ تک پہنچ گیا۔ اس نے نرمی سے کہا، "جناب! آپ تشریف رکھیے۔ میں ابھی بتاتا ہوں کہ کیا ہُوا ہے؟"

گاہک چیخ کر بولا، "تمھیں جو کچھ کہنا ہو، عدالت میں کہنا۔ اگر میں نے تمھیں جیل نہ بھجوا دیا تو میرا نام بھی عابدین نہیں ہے"۔ حجّام نے جلدی سے تولیا اُٹھایا اور عابدین کے چہرے پر سے صابن کا جھاگ صاف کیا اور بولا، "اب اپنا چہرہ دیکھیے۔ حضور! آپ کے مُنھ پر کوئی زخم نہیں آیا ہے۔ یہ سب کچھ میرے بیٹے کا کِیا دھرا ہے۔ اسے مُصوّری کا شوق ہے۔ کل رات اس نے تصویر میں اس برش سے رنگ بھرا ہوگا"۔

عابدین نے حقارت سے کہا، "دیکھو میاں، تم جیسے غریبوں کے بچّے بڑے ہو کر دھوبی، نائی، قسائی ہی بنیں گے۔ بہتر یہ ہے کہ تم اسے اپنے پیشے کی تربیت دو"۔

حسن حجّام کے دل پر چوٹ لگی۔ وہ رنجیدہ ہوکر بولا، "حضور! آپ ایسا تو نہ کہیے۔ کیا ہم غریبوں کے بچّے کسی اچھے مقام پر پہنچنے کا حق نہیں رکھتے ؟"

حسن کی باتوں کا عابدین پر کچھ اثر ہوا۔ اس کا غصّہ جاتا رہا۔ وہ بولا، "دیکھو میاں، مصوّری ایک بہت مشکل فن ہے جو بہت محنت اور کوشش کے بعد حاصل ہوتا ہے"۔

حسن بولا، "جناب! آپ مصوّری سے دِل چسپی رکھتے ہیں۔ آپ ایک نظر میرے بیٹے کی بنائی ہوئی تصویر دیکھ تو لیجیے"۔

عابدین بیزاری سے بولا، "اچھا بھئی لاؤ۔ دیکھیں کہ تمھارے برخور دار نے کیا کمال دکھایا ہے ؟"

حسن جلدی سے تصویر اُٹھا لایا جو رشید نے کل شام ہی بنائی تھی۔ جب عابدین نے تصویر دیکھی تو اس کا مُنھ حیرت سے کُھلا رہ گیا۔ اس کی نظریں تصویر سے ہٹتی نہیں تھیں۔ بہت دیر بعد اس نے کہا، "کیا یہ تصویر تمھارے بیٹے ہی نے بنائی ہے؟"

حسن حجّام بولا، "جی حُضور! یہ اسی نالائق نے بنائی ہے"۔

عابدین نے کہا، "ذرا بُلانا اُسے"۔

حسن حجّام نے جواب دیا، "جی وہ اس وقت تو اسکول میں ہے۔ وہ دوپہر بعد ہی آپ سے مل سکے گا"۔

عابدین نے گھُور کر حَسَن حجّام کو دیکھا اور بولا، "یہ فساد اسی تصویر نے پھیلایا ہے۔ میں اسے اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔ میں دوپہر کے بعد آؤں گا۔ اپنے برخور دار سے کہنا کہ وہ گھر پر ہی رہے"۔

جب رشید اسکول سے واپس لوٹا تو اس نے اپنے والد کو سنجیدہ اور فِکر مند دیکھا۔

حسَن بولا، "بیٹا! تُم یہاں آؤ۔ کیا میں نے تمھیں کُھلی چُھٹّی دے رکھی ہے کہ تم جب چاہو میرا برش استعمال کر لیا کرو؟ آج ایک گاہک نے مجھے بہت بُرا بھلا کہا۔ جاتے وقت وہ تمھاری بنائی ہوئی تصویر بھی اپنے ساتھ لے گیا"۔

رشید کا سر ندامت سے جُھک گیا۔ اس نے کہا، "ابّو جان! مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے آپ کو شرمندگی اٹھانا پڑی"۔

حسن حجّام بولا، " ابھی وہ گاہک آنے والا ہے۔ نہ جانے اب وہ کیا طوفان اُٹھائے گا۔"

رشید بولا، " سارا قصور میرا ہے۔ میں ان صاحب سے معافی مانگ لوں گا۔"

عین اسی وقت عابدین دکان میں داخل ہُوا۔ اس نے رشید کی باتیں سُن لی تھیں۔ وہ بولا، " بھئی معافی تو مجھے مانگنی چاہیے۔ دراصل میں غلطی پر تھا۔ غریبوں کے بچّے بھی اچھّے مصوّر بن سکتے ہیں۔"

عابدین نے آگے بڑھ کر رشید کو گلے لگالیا اور اس کے ماتھے کو بوسہ دے کر بولا، " شاید تمھیں یہ معلوم نہیں کہ میں مشہور مصوّر ہوں۔ آج کل میری تصویروں کی نمائش لگی ہوئی ہے۔ میں نے تمھاری بنائی ہوئی تصویر اپنی تصویروں کے ساتھ رکھ دی۔ ایک قدر دان نے وہ دوسو رُپے میں خرید لی ہے۔"

یہ کہہ کر عابدین نے اپنی جیب سے دو سو رُپے نکال کر حسن حجّام کے سامنے رکھ دیے۔

عابدین نے پھر کہا، " برخوردار! تمھیں اعلا تعلیم و تربیت کے لیے قاہرہ جانا چاہیے۔ میں نے مصوّری کے ادارے میں تمھارے داخلے کا بندوبست کر دیا ہے۔ تم کل ہی قاہرہ روانہ ہو جاؤ۔"

ان دونوں کا خوشی سے بُرا حال تھا۔ وہ عابدین کا بار بار شُکریہ ادا کر رہے تھے۔

اگلے دن جب رشید جب قاہرہ جانے والی بس میں سوار ہُوا تو حسن حجّام نے کہا، " بیٹا! محنت سے جی نہ چُرانا۔"

رشید نے کہا، " جی ابّا جان۔"

حسن حجّام نے پھر کہا، " تمھیں فضول خرچی اور کفایت کا فرق یاد ہے ؟"

رشید بولا، " جی ابّا جان، میں فضول خرچی سے بچوں گا۔"

بس چلنے لگی، رشید نے ہاتھ ہلا کر اَلوِداع کہی۔ جواب میں حسن بھی دیر تک ہاتھ ہلا کر اَلوِداع کہتا رہا۔

اِک نیا معیار
ڈیزائن بیشمار
گولڈ فِش ڈیلکس پینسل
Goldfish
DELUXE PENCIL
بین الاقوامی معیار کے مُطابق دیدہ زیب
ڈیزائنوں میں اپنی نوعیت کی واحد
گولڈ فِش ڈیلکس پینسل۔
دیکھنے میں دلکش استعمال میں بہترین
گولڈ فِش ڈیلکس پینسل
ہر دکان/اسٹور اور اسٹیشنرز سے
دستیاب ہیں۔
شاہ سنز لمیٹڈ
ڈی ۸۸ - ایس - آئی - ٹی - ای - کراچی
فون: ۲۹۳۳۴۵۱، ۲۹۳۳۴۵۲

غالب کی باتیں

مرزا ظفر بیگ

مرزا اسد اللہ خاں غالب ۲۷ دسمبر ۱۷۹۷ء (رجب ۱۲۱۳ ہجری) کو آگرے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے آبا و اجداد ایبک قوم کے تُرک تھے۔ آپ کے والد کا نام عبداللہ بیگ تھا۔ غالب کے حالات اور شاعری پر بے شمار لوگوں نے بہت کچھ لکھا ہے۔ آپ پر بے شمار کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ نونہالوں کی دل چسپی اور معلومات کے لیے ہم اُن کی زندگی کے کچھ دل چسپ حالات پیش کر رہے ہیں۔

شیخ ابراہیم ذوقؔ کے انتقال کے بعد بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے اشعار کی اصلاح کا کام مرزا غالب کے سُپرد ہو گیا۔ اس سلسلے میں ناظر حسین مرزا مرحوم کا ایک چشم دید واقعہ یہاں نقل کیا جا رہا ہے۔

ایک دن مرزا صاحب دیوانِ عام میں بیٹھے تھے کہ چوب دار آیا اور کہا کہ بادشاہ سلامت نے غزلیں مانگی ہیں۔ مرزا نے کہا، "ذرا ٹھیر جاؤ۔" اور اپنے آدمی سے کہا کہ پالکی میں کچھ کاغذ رومال میں بندھے ہوئے رکھے ہیں، وہ لے آؤ۔ وہ فوراً لے آیا۔ مرزا نے اُسے کھولا۔ اُس میں سے آٹھ نو پرچے نکالے۔ ان سب پر ایک ایک دو دو مصرعے لکھے ہوئے تھے۔ غالب نے قلم دوات منگوایا اور وہیں اُن مصرعوں پر غزلیں لکھنی شروع کر دیں اور تھوڑی سی دیر میں آٹھ نو پوری پوری غزلیں لکھ کر چوب دار کے حوالے کر دیں۔ ان غزلوں کو لکھنے میں صرف اتنی دیر لگی جتنی دیر میں ایک ماہر اُستاد چند غزلیں کہیں کہیں سے اصلاح کر کے دُرست کر دے۔

مرزا غالب بڑے وسیع اخلاق کے مالک تھے۔ ہر ایک سے بڑی محبت سے ملتے۔ اُن سے ایک بار جو شخص مل لیتا دوبارہ ملنے کی خواہش کرتا تھا۔ دوستوں کو دیکھ کر باغ باغ ہو جاتے۔ ان کی خوشی

اور غم میں شریک رہتے تھے۔ ان کے دوستوں کی تعداد سارے ملک میں پھیلی ہوئی تھی۔ اپنے دوستوں کو خط لکھنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ دوستوں کی فرمائشوں کو ہر صورت میں پورا کرتے تھے۔ غزلوں کی اصلاح کے علاوہ بے شمار فرمائشیں ان کے دوست کرتے تھے جو بڑی خوش دلی سے پوری کرتے تھے۔ آخر عمر میں بیماری اور کم زوری کی وجہ سے زیادہ کام نہ کر پاتے تھے مگر اس حالت میں بھی لیٹے لیٹے غزلوں کی اصلاح کر لیتے تھے۔ مرزا کی آمدنی بہت تھوڑی تھی مگر دل بہت بڑا تھا۔ ان کے گھر کے آگے ہر وقت اندھے، لنگڑے، لُولے اور اپاہج پڑے رہتے تھے۔ وہ اپنی حیثیت کے مطابق ان کی مدد کیا کرتے تھے۔ اُن کا حافظہ بہت اچھا تھا۔ ان کے گھر میں کتاب نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی تھی۔ ہمیشہ کرائے کی کتابیں منگواتے اور جو بھی کام کی بات اس میں پڑھ لیتے وہ ان کے دل و ذہن پر نقش ہو جاتی تھی۔

مرزا غالب کی تقریر اور اندازِ بیان ان کی تحریر اور نظم و نثر سے کسی طرح کم نہ تھا۔ لوگ اُن سے ملنے اور اُن کی باتیں سُننے کی مشتاق رہتے تھے۔ وہ زیادہ بولنے والے نہ تھے مگر جو کچھ اُن کی زبان سے نکلتا اس کے سُننے میں مزہ آتا تھا۔ ظرافت، شوخی، حاضر جوابی اور بات سے بات پیدا کرنا اُن کی خصوصیات تھیں۔ مرزا روزے کم ہی رکھتے تھے۔ ایک بار رمضان گزرنے کے بعد قلعے میں گئے۔ بادشاہ نے پوچھا، "مرزا، تم نے کتنے روزے رکھے؟" عرض کیا، "پیر و مُرشد! ایک نہیں رکھا۔"

ایک جگہ مرزا صاحب میر تقی میر کی تعریف کر رہے تھے۔ وہاں ذوق بھی موجود تھے۔ انھوں نے سودا کو میر سے اچھا کہا۔ مرزا نے کہا، "میں تو آپ کو "میری" سمجھتا تھا مگر معلوم ہوا کہ آپ تو سودائی ہیں۔"

جس مکان کے کمرے میں مرزا دن بھر بیٹھتے اُٹھتے تھے وہ دروازے کی چھت پر تھا۔ اس کے ایک طرف ایک چھوٹی سی اندھیری کوٹھری تھی۔ اس کا دروازہ بہت چھوٹا تھا۔ اس میں اندر دری چاندنی بچھی رہتی تھی۔ مرزا صاحب اکثر گرمی اور لُو کے موسم میں صُبح دس بجے سے چار بجے شام تک اسی کوٹھری میں گزارتے تھے۔ رمضان کا مہینہ تھا اور گرمی کا موسم تھا۔ مولانا صدر الدین آزردہ ٹھیک دوپہر میں مرزا سے ملنے چلے آئے۔ اُس وقت مرزا اُسی کوٹھری میں چوسر یا شطرنج کھیل رہے تھے۔ مولانا وہیں پہنچ گئے اور غالب کو رمضان کے مہینے میں چوسر کھیلتے ہوئے دیکھ کر کہنے لگے، "ہم نے سُنا تھا کہ رمضان میں شیطان کو قید کر دیا جاتا ہے۔" غالب نے جواب دیا، "قبلہ! آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ جگہ جہاں شیطان قید کیا جاتا ہے یہی کوٹھری ہے۔" غرض مرزا غالب کی کوئی بات لطف اور ظرافت سے خالی نہ ہوتی تھی۔

مرزا غالب مال دار آدمی نہ تھے مگر خود داری اور وضع داری کو وہ کبھی نہ چھوڑتے تھے۔ شہر کے

بڑے بڑے لوگوں سے برابری کے درجے سے ملتے تھے۔ بازار میں کبھی بھی بغیر پالکی یا ہوادار کے نہیں نکلتے تھے۔ بڑے بڑے لوگوں میں سے جواُن کے پاس آتے تھے وہ ان کے ہاں ضرور جاتے تھے اور جواُن کے پاس نہ آتے تو خود بھی اُن کے پاس کبھی نہ جاتے۔ غالبؔ کو گوشت بہت پسند تھا۔ بغیر گوشت کے وہ رہ ہی نہیں سکتے تھے۔ یہاں تک کہ جُلاّب کے دن بھی انھوں نے کھچڑی کبھی نہیں کھائی۔ صُبح کو اکثر شیرۂ بادام پیتے تھے۔ دن کو گھر سے کھانا آتا۔ اس میں ایک پاؤ گوشت کا قورمہ ہوتا تھا۔ ایک پیالے میں بوٹیاں اور دوسرے میں شوربا، ایک پیالی میں ایک پُھلکے کا چھلکا شوربے میں ڈوبا ہوا کبھی کبھی ایک پیالی میں انڈے کی زردی اور ایک پیالی میں دہی۔ شام کو شامی کباب یا سیخ کے کباب۔ بس یہ تھی اُن کی خوراک۔ پھلوں میں آم سے خاص رغبت تھی۔ آموں کی فصل میں ان کے دوست دُور دُور سے ان کے لیے عمدہ عمدہ آم بھیجتے تھے اور وہ خود بھی دوستوں سے تقاضا کر کر کے آم منگواتے تھے۔

آج کل یہ عام طریقہ ہوگیا ہے کہ ہر شاعر کو اس کے شعر پر خوب داد دی جاتی ہے چاہے شعر اچھا ہو یا بُرا۔ مرزا غالب کی عادت اس کے خلاف تھی۔ کوئی کتنا ہی معزّز اور محترم آدمی کیوں نہ ہو جب تک اس کا شعر ان کو پسند نہ آجاتا وہ ہرگز اس کی تعریف نہ کرتے تھے۔

غرض غالب کی کیا کیا خوبیاں بیان کی جائیں وہ نظم ونثر کا ایک چلتا پھرتا اسکول تھے۔ حال آں کہ اُن کو دُنیا سے گزرے ہوئے (۱۵، فروری ۱۸۶۹ء) ایک صدی بھی زیادہ کا عرصہ ہو چکا ہے، مگر وہ آج بھی لوگوں کے دلوں میں زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے۔

مرزا غالب ایک بلند پایہ شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ صاحبِ طرز نثر نگار بھی تھے۔ خاص طور پر اُن کے خطوط بے تکلفی، شوخی، انسان دوستی، خلوص اور محبّت کا آئینہ ہیں۔ غالب نے خط کیا لکھے ہیں، باتیں کی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ سامنے بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔

مرزا غالب کے خطوط کے کئی مجموعے شائع ہوئے ہیں۔ ان میں اردوئے معلیٰ، عُودِ ہندی، مکاتیبِ غالب، خطوط غالب اور نوادراتِ غالب بہت مشہور ہیں۔

مرزا غالب پر اب تک سیکڑوں کتابیں لکھی جاچکی ہیں۔ سب سے پہلی مفصّل کتاب "یادگار غالب" (۱۸۹۷ء) ہے، جو غالب کے شاگرد مولانا الطاف حسین حالی نے لکھی تھی۔ غالب پر اتنی کتابیں شائع ہونے کے باوجود یادگار غالب اب بھی سب سے مزے دار اور بہت عمدہ کتاب ہے۔ ہم نے اسی کتاب سے فائدہ اُٹھا کر یہ مضمون لکھا ہے۔ آپ بھی یہ کتاب ضرور پڑھیں۔

Everyone loves to eat

mayfair Toffees and Sweets

- Milk Bon Bon
- Orange Candies.
- Coconut Candies.
- Deluxe Toffees
- Assorted Candies.
- Tattoo Toffees
- Honey Candies.

And now another
offer from the house of Mayfair

Milka Chew
Fruta Chew
Minta Chew

mayfair **Bubble**

You will love it because it is the only juicy bubble that makes

big big Bubbles.

mayfair The Sweet Favourites.

AFI Asian Food Industries (Private) Limited.
Shernaz House, West Wharf Road, Karachi, Pakistan.
Phones: 201612, 201617 Cable: BON BON Telex: 25482 AFI PK

ADARTS AFI 1/86

آج کا دن

• فیض لودھیانوی •

زندگی کی بہار آج کا دن — حاصلِ روزگار آج کا دن
کٹ گئی رات پَو پھٹی آخر — ہو گیا آشکار آج کا دن
دیر تک مَست سونے والوں کا — کیوں کرے اِنتظار آج کا دن
شام ہوتے ہی ڈوب جائے گا — آسمانوں کے پار آج کا دن
ہر طرح فائدہ اُٹھا اِس سے — پھر نہ آئے گا یار آج کا دن
بعد میں تو نہ اس کو پائے گا — آج کر لے شمار آج کا دن
جیتنے کی اگر تمنّا ہے — کاہلی میں نہ ہار آج کا دن
اپنی منزل کی سَمت بڑھتا جا — تجھ کو دے گا اُبھار آج کا دن
کام یابی ترے قدم چُومے — اِس ادا سے گزار آج کا دن
کل جو گزرا ہے کل جو آئے گا — اُن میں ہے برقرار آج کا دن
فیضؔ ماضی ہے کچھ نہ مُستقبل — حال ہے بار بار آج کا دن

کریمو! تم نوکری چھوڑ کر تو جا رہے ہو مگر یہ بات یاد رکھنا کہ تمھیں ہمارے جیسا گھر کہیں نہیں ملے گا۔
سچ کہہ رہے ہیں صاحب! لیکن مجھے کہیں بھی آپ کے ٹامی جیسا کتا نہیں ملے گا! یہ تو استعمال شدہ پلیٹوں کو اس طرح صاف کرتا ہے جیسے میں نے کی ہیں۔

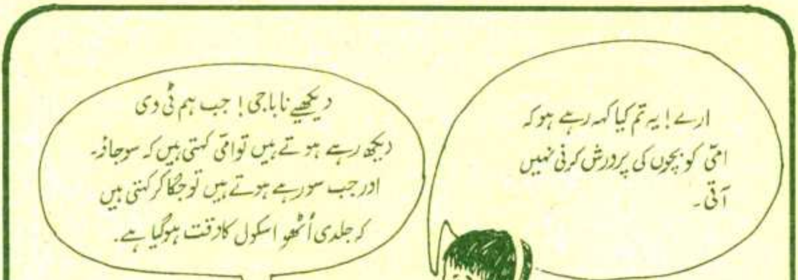
ارے! یہ تم کیا کہہ رہے ہو کہ امی کو بچوں کی پرورش کرنی نہیں آتی۔
دیکھیے نا باجی! جب ہم ٹی وی دیکھ رہے ہوتے ہیں تو امی کہتی ہیں کہ سو جاؤ۔ اور جب سو رہے ہوتے ہیں تو جگا کر کہتی ہیں کہ جلدی اُٹھو اسکول کا وقت ہوگیا ہے۔

تحفے

غیبت

مرسلہ: فیصل احمد عباسی، جھنگ

● ایک استاد اپنے شاگردوں سے کہہ رہے تھے:
"دانا کہتے ہیں کہ غیبت ڈاکا ڈالنے سے بھی بڑا گناہ ہے۔" ایک شاگرد بولا، "ڈاکا تو بڑا جرم ہے۔ غیبت بُری سہی لیکن ڈاکے سے بری کیسے ہو سکتی ہے؟"

تب استاد نے یہ بات سمجھائی کہ ڈاکو بہادری سے آگے آتا ہے اور للکار کر حملہ کرتا ہے۔ لیکن غیبت کرنے والا بزدل ہوتا ہے۔ وہ پیٹھ پیچھے برائی کرتا ہے اور تہمتیں لگاتا ہے۔

تحفہ

مرسلہ: مستیزہ بتول، فیصل آباد

● اگر کسی کو تحفہ دینا چاہتے ہو تو پھولوں کے بجائے کانٹوں کا انتخاب کرو، کیوں کہ پھول چند لمحوں میں مُرجھا جاتے ہیں، اپنا اعتبار کھو دیتے ہیں اور دوست کی حفاظت بھی نہیں کرنا جانتے۔ کانٹے تو ابد سے پھولوں کی حفاظت کرتے آئے ہیں۔ یہ دوست کے لیے بہترین تحفہ ہیں۔ اس تحفے کو وہ تمام زندگی یاد رکھ سکتا ہے۔

اگر چاہتے ہو تو

مرسلہ: رب نواز ندیم، کوئٹہ

آنا چاہتے ہو تو — محتاج کی مدد کے لیے آؤ۔
جانا چاہتے ہو تو — خانہ کعبہ جاؤ، مسجد نبوی جاؤ۔
لینا چاہتے ہو تو — والدین کی دعائیں لو۔
دینا چاہتے ہو تو — اللہ کی راہ میں دو۔
بولنا چاہتے ہو تو — شیریں زبان بولو۔
لڑنا چاہتے ہو تو — اللہ کی راہ میں لڑو۔
اُٹھنا چاہتے ہو تو — بُروں کی صحبت سے اُٹھو۔
بیٹھنا چاہتے ہو تو — نیکوں کی صحبت میں بیٹھو۔
ہنسنا چاہتے ہو تو — اپنے مقدر پر ہنسو۔

تقدیر یا تدبیر

مرسلہ: عبدالرشید تبسم، حاصل پور

یا تو لوگ تقدیر کو کوستے ہیں یا تدبیر کو۔ یہ مسئلہ بہت نازک ہے۔ مشہور ہے کہ پہاڑوں میں پارس پتھر ہوتا ہے۔ جو چیز اسے چھو جائے سونا بن جاتی ہے۔ ایک شخص نے چھے مہینے کی چھٹی بغیر تنخواہ کے لی اور قسمت آزمائی کرنے نیپال پہنچا۔ کرائے کے جانوروں میں زنجیریں باندھیں کہ شاید کوئی زنجیر پارس سے چھو جائے۔ دن بھر انھیں جنگلوں میں لیے پھرتا رہا۔ دن گزرتے گئے اور کچھ

نہ بنا۔ چھٹی ختم ہوئی۔ قسمت کو برا بھلا کہہ رہا تھا کہ جوتا اتارتے وقت معلوم ہوا کہ یہ نئی سونے کی بن چکی ہیں۔ قیمت معلوم کی تو یہ پورے چھے ماہ کی تنخواہ تھی۔

اس سے نتائج خود نکالیے لیکن تقدیر یا تدبیر پر لعنت ملامت مت کیجیے اور قسمت آزمائی کے لیے پہاڑوں کی طرف مت جائیے۔ (شفیق الرحمٰن)

آنکھیں

مرسلہ: کامران بلوچ صنم، اوکاڑہ

آنکھیں انسان کی قلبی کیفیت کی صحیح ترجمان ہوتی ہیں۔ زبان کو بند رکھا جاسکتا ہے مگر آنکھوں میں لکھی تحریروں کو چھپانا بے حد مشکل کام ہے۔ پھولوں کی خوش بو کو ناک سے سونگھا جاتا ہے۔ اس کے برعکس آنکھوں کی خوش بو کو دل سے محسوس کیا جاتا ہے۔ خوب صورت آنکھیں خوب صورت چہروں کی عکاس ہوتی ہیں۔

نہ بولتے .....

مرسلہ: جمیلہ رانی، شہداد پور

ایک شہزادے نے کہیں خاموشی کے فائدے پڑھ لیے۔ چنانچہ اس نے بولنا بند کردیا اور خاموشی اختیار کرلی۔ بادشاہ بہت پریشان ہوا۔ اس نے اس کا بہت علاج کرایا لیکن بے سود۔ شہزادے نے زبان نہ کھولی۔

ایک مرتبہ شہزادہ وزیرزادے کے ساتھ شکار کھیلنے گیا۔ شام ہوگئی لیکن شکار ہاتھ نہ آیا۔ تھک ہار کر دونوں ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ اچانک ایک پرندے کے بولنے کی آواز آئی۔ وزیرزادے نے آواز کی طرف تیر پھینک کر اسے شکار کرلیا۔ شہزادہ بے اختیار بول اٹھا:

"نہ بولتے نہ مارے جاتے۔"

لمبی عمر کا راز

مرسلہ: دانش احمد صدیقی، کراچی

انگریزی کے مشہور ادیب برنارڈ شا سے ایک صحافی نے پوچھا، "آپ کی لمبی عمر کا راز کیا ہے؟" انھوں نے کہا، "میں سر ٹھنڈا اور پیر گرم رکھتا ہوں۔" صحافی نے ان کا قول اخبار میں چھاپ دیا۔ لوگوں نے عمر بڑھانے کے لیے سر پر برف رکھنا اور پاؤں سینکنا شروع کردیے۔ اس سے لوگ نمونیہ اور بخار میں مبتلا ہونے لگے۔ ایک ہفتہ بعد ایک احتجاجی جلوس برنارڈ شا کے دروازے پر پہنچ گیا۔

برنارڈ شاہ نے کہا، "بے وقوفو! سر ٹھنڈا رکھنے سے مراد تھی کہ مجھے کبھی غصہ نہیں آتا اور پاؤں گرم رکھنے کا مطلب یہ تھا کہ میں ہمیشہ پیدل چلتا ہوں۔"

اس کے بعد

مرسلہ: کہکشاں ترنم ردمی، کراچی

ایک دولت مند سیاح شمالی علاقے میں گھوم رہا تھا۔ اسے ایک ریڈ انڈین لڑکے کی ذہانت اور مستعدی بہت پسند آئی۔ اس نے واپسی میں لڑکے کو اپنے ساتھ لے جانے کا فیصلہ کیا۔ وہ اسے اپنا بیٹا بنانا چاہتا تھا۔ اس نے لڑکے سے کہا، "میں تمھیں واپسی میں شکاگو لے چلوں گا۔" لڑکے نے دریافت کیا، "شکاگو جاکر میں کیا کروں گا؟"

"تم وہاں اسکول جاؤ گے پھر بڑے ہوکر کاروبار کروگے۔ فیکٹری کے مختلف محکموں میں کام کرنے کے بعد تم فورمین

ہوجاؤ گے۔ پھر جنرل منیجر بن جاؤ گے اور پھر جب میں مر جاؤں گا تو میری دولت، کاروبار اور مکان کے تم مالک بن جاؤ گے۔" لڑکے نے پوچھا "اس کے بعد؟" سیاح نے کہا، "اس کے بعد جب تم مال دار ہو جاؤ گے تو جو چاہو گے کر سکو گے۔ پھر تم ریٹائر ہو کر یہاں آجانا اور مزے سے سارا دن مچھلیاں پکڑتے رہنا۔" لڑکے کی آنکھوں میں مایوسی تیر گئی۔ "یہ کام تو میں اب بھی کر رہا ہوں۔" سیاح اس کی صورت تکتا رہ گیا۔

کیا آپ کو معلوم ہے؟

مرسلہ: شاہد محمود، صادق آباد

- جسامت کے لحاظ سے شتر مرغ سب سے بڑا پرندہ ہے۔ شاہین کو پرندوں کا بادشاہ کہا جاتا ہے۔ اُلّو کو مغربی دنیا میں علم اور دانش کا نشان سمجھا جاتا ہے اور کبوتر اور فاختہ امن کا نشان ہیں۔
- پاکستان کے کھلاڑی ماجد خاں کے والد جہانگیر خاں کی گیند سے انگلستان میں ایک اُڑتی ہوئی چڑیا ہلاک ہو گئی تھی۔ یہ چڑیا برطانیہ میں اب بھی محفوظ ہے۔
- ایڈن برگ کی ایک بھکارن اپریل ۱۹۷۵ء میں بھوک کی وجہ سے مر گئی۔ مرنے کے بعد معلوم ہوا کہ خستہ حال بڑھیا ایک کروڑ پتی عورت تھی۔ اس کے پاس اسّی لاکھ روپے نقد تھے اور مختلف کمپنیوں میں ساڑھے چار کروڑ کے شیئرز تھے۔

خلیل جبران نے کہا

مرسلہ: الماس محبوب، کراچی

- کسی کو بے وقوف نہ کہو، کیوں کہ حقیقت یہ ہے کہ ہم دانا ہیں نہ بے وقوف۔ ہم زندگی کے درخت پر سبز پتّوں کی طرح ہیں۔
- محبت ایک نورانی قلعہ ہے، جسے نورانی ہاتھوں نے نورانی کاغذ پر لکھا ہے۔
- اگر تم نے اپنے دوست کو اس کے ہر رنگ میں نہیں پہچانا تو یاد رکھو کہ تم نہ اس کو اب سمجھے ہو اور نہ آیندہ کبھی سمجھو گے۔
- جب تم زندگی کے اسرار حل کر چکو گے تو موت کا شوق پیدا ہو گا، کیوں کہ موت بھی زندگی کے رازوں میں سے ایک راز ہے۔
- تمھیں چاہیے کہ حقیقت کو سمجھو تو ہمیشہ، لیکن ظاہر کرو کبھی کبھی۔

دور اندیش

مرسلہ: نازنین صدیقی، کراچی

ایک صاحب اپنے پانچ سالہ بیٹے کی طرف دیکھتے ہوئے اپنی بیگم سے کہنے لگے، "بھئی! اب اس سے کہو یہ نوکری تلاش کرنا شروع کر دے۔" بیگم نے جواب دیا، "کہیں آپ کا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا؟" ان صاحب نے جواب دیا، "نہیں، میں ٹھیک کہہ رہا ہوں، کیوں کہ جب تک اسے ملازمت ملے گی اس کی عمر بیس بائیس سال ہو جائے گی۔ اور اگر اس نے بائیس سال کی عمر میں نوکری

تلاش کی تو اس وقت تک میری عمر نوکری سے ریٹائر ہونے والی ہو چکی ہو گی۔"

ایسا بھی ہوتا ہے

مرسلہ: منیر مرزا، کراچی

ایک فقیر نے تین لڑکوں کو روک کر کہا کہ میں مستقبل کا حال بتا سکتا ہوں۔ ان میں سے ایک نے پوچھا، "کتنی فیس لو گے؟" تو فقیر نے فوراً کہا، "پانچ رُپے۔" ایک لڑکے نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ فقیر کچھ دیر تک ہاتھ کو دیکھنے کے بعد کہنے لگا کہ تمھاری قسمت تو بہت اچھی ہے۔ تمھارے پاس اتنی دولت ہو گی کہ تم اس سے بے زار ہو جاؤ گے۔

اس کے بعد دوسرے لڑکے نے بھی اپنا ہاتھ بڑھایا۔ فقیر نے اس کا ہاتھ دیکھا اور کہنے لگا، "تمھارے پاس اتنی کاریں ہوں گی کہ تم گاڑیوں سے بے زار ہو جاؤ گے۔"

اب تیسرے نے اپنا ہاتھ آگے کیا۔ فقیر نے اس کا ہاتھ دیکھ کر بتایا کہ تمھاری قسمت بھی بری نہیں۔ تمھارے سامنے تو بادشاہ، وزیر سب کے سب سر جھکایا کریں گے۔ یہ کہہ کر فقیر نے پندرہ رُپے لیے اور چلتا بنا۔

چند سال بعد تینوں لڑکے پھر ملے تو ان میں سے ایک کہنے لگا، "فقیر نے سچ کہا تھا کہ میں رپوں سے بے زار ہو جاؤں گا۔ میں آج کل بینک میں کیشیر ہوں۔"

دوسرے نے کہا، "میرے بارے میں بھی فقیر نے بالکل ٹھیک کہا تھا کہ میں گاڑیوں سے بے زار ہو جاؤں گا۔ میں آج کل ٹریفک پولس میں ہوں۔"

تیسرے نے کہا کہ میرے بارے میں بھی فقیر نے درست کہا تھا کہ میرے سامنے بادشاہ اور وزیر سب سر جھکائیں گے۔ میں آج کل حجام ہوں۔

کل

مرسلہ: عبدالصمد صابری، چمن

داناؤں کے رجسٹر میں "کل" کا لفظ کہیں نہیں ملتا البتہ بے وقوفوں کی جنتریوں میں بہ کثرت ملتا ہے۔ عقل مندی اس لفظ کو قبول نہیں کر سکتی اور نہ سوسائٹی اس کو منظور کرتی ہے۔ یہ تو محض بچوں کا بہلاوا ہے کہ فلاں کھلونا تمھیں کل لے کر دیا جائے گا۔ یہ ایسے لوگوں کے استعمال میں آنے والی چیز ہے جو صبح سے شام تک خیالی پلاؤ پکاتے رہتے ہیں اور شام سے صبح تک خواب دیکھتے رہتے ہیں۔

(سر سید احمد خان)

نجات

مرسلہ: فرخندہ فیروز، کراچی

ایک پاکستانی جو امریکا میں نوکری کر رہا تھا ایک روز بڑا خوش خوش گھر آیا اور بیوی کو یہ خبر سنائی، "ہمیں امریکی شہریت مل گئی ہے۔ اب ہم امریکی کہلائیں گے۔" بیوی برتن دھو رہی تھی فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئی اور بولی "شکر ہے یہ مسئلہ بھی حل ہوا۔ اب باقی برتن آپ دھوئیں۔ میں ذرا شاپنگ کرنے جا رہی ہوں۔"

ایک شعر

مرسلہ: فخرالدین، کراچی

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

مولانا ظفر علی خان

طب کی روشنی میں

حکیم محمد سعید

پودینہ سونگھنا

س : ازراہِ کرم یہ بتائیے کہ پودینہ کن بیماریوں میں استعمال ہوتا ہے ؟ میں نے کئی افراد کو پودینہ سونگھتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس کا کیا فائدہ ہے ؟ محمد ابراہیم مصور، روہڑی

ج : پودینہ سونگھنا اور اس کی خوش بُو سے لطف اُٹھانا انسان کا اچھا ذوق ہے۔ خوش ذوق انسان جب ایسا کرتے ہیں تو اُن کے اعصاب انتہائی سکون پاتے ہیں۔ اعصاب اگر پُرسکون ہوں تو صحت پر اس کا اچھا اثر ضرور پڑتا ہے۔ پودینہ ہاضم ہے۔ جگر کے امراض میں اسے خاص طور پر دیا جاتا ہے۔ جوش کر کے چائے کی طرح بھی پلاتے ہیں اور سونف کے ساتھ پیس کر بھی اسے پلایا جاتا ہے۔ پودینہ زمانۂ قدیم سے ہضم کے نظام کے لیے ایک بہترین قدرتی علاج تسلیم کیا جاتا ہے۔ ویسے بھی ہماری غذاؤں میں پودینہ اکثر شامل رہتا ہے۔ پودینے کی چٹنی اور بیسن کی روٹی یا پودینے انار دانے کی چٹنی چنے کی کھچڑی میں ملا کر بڑا لطف دیتی ہے۔

کہیے مصور صاحب ! آپ کے منہ میں پانی تو نہیں بھر آیا ؟

گُردے کی پتھری

س : گُردے میں پتھری کیسے بنتی ہے ؟ اس کا علاج اپریشن کے علاوہ کیا ہے ؟

مہ ناز شیخ، کراچی

ج : فاسفیٹس، اوگزیلیٹس اور یُوریٹس تین قسم کے اجزا ہوتے ہیں کہ جو پتھری بنا دیتے ہیں۔ چھوٹی پتھریاں اکثر علاج سے نکل جاتی ہیں، مگر بڑی پتھریاں اکثر خارج نہیں ہوا کرتیں۔ جو لوگ پانی خوب پیا کرتے ہیں ان کے گردے اکثر صاف رہتے ہیں اور پتھری نہیں بنا کرتی، مگر پانی کی کمی سے یہ مادّے تہ نشیں ہو جاتے ہیں اور گردوں میں رُک کر سخت ہو جاتے ہیں۔

بھویں جھڑ رہی ہیں

س : میری سہیلی کی عمر ۱۳ سال ہے۔ اس کی بھویں جھڑنی شروع ہو گئیں، سر کے بال بھی جھڑنے

لگے اور ابھی تک جھڑ رہے ہیں۔ ایک بھوں دو سال کے بعد نکل آئی ہے۔ ازراہِ کرم کوئی علاج بتائیں۔
نازیہ بانو، مشتاق آباد، پشاور
ج: یہ کم زوری نہیں ہے، بلکہ یہ مرض کی کیفیت ہے۔ اس کا علاج کسی اچھے معالج سے کرانا مناسب ہوگا۔

بلڈ پریشر کا مرض

س: بلڈ پریشر کیوں ہوتا ہے اور کیسے ہوتا ہے؟ ازراہِ کرم وضاحت سے بتائیے۔
محمد اشرف مغل، منڈی بہاؤالدین
ج: سوال کرنا واقعی آسان ہے مگر جواب دینے والا مشکل میں آگیا، کیوں کہ اس سوال کا جواب تین چار سطروں میں دینا مشکل ہے۔ بلڈ پریشر بڑھ جانے کے بہت سے اسباب ہیں:

- گردوں میں ورم
- خون کا زیادہ ہونا
- خون کی رگوں کا تنگ ہونا
- غصہ اور غیظ و غضب
- ہوسِ زر، طلبِ مال و دولت
- قناعت نہ ہونا، یعنی سب کچھ ہے مگر اور مانگنا
- عیش و آرام کی زندگی، رات دن اپنی فکر میں مبتلا رہنا
- محنت نہ کرنا
- فطرت سے بغاوت وغیرہ

اخلاق اگر اچھے ہوں، انسان سے محبت ہو اور آدمی کا احترام ہو تو یہ بیماریاں لاحق نہیں ہوا کرتیں۔ اب تحریکِ آوازِ اخلاق کا مطلب آپ کی سمجھ میں زیادہ آگیا ہوگا۔

چہرے پر مُہاسے

س: میرے چہرے پر مُہاسے نکلتے ہیں پھر داغ بن جاتے ہیں۔ کوئی دوا یا علاج بتائیں۔
واحد بخش میمن، ٹھٹھہ
ج: عمر بڑھنے کے ساتھ بعض حالات میں جسمانی ہارمونوں میں توازن کی کمی آجاتی ہے اور اس

کا ایک مظہر مہاسے بھی ہوتے ہیں۔ اس کے لیے لُعابات زیادہ مفید ہوتے ہیں۔ آپ لعاب بہدانہ استعمال کریں۔ یعنی ۲ گرام بہدانہ کو آدھے گلاس پانی میں ڈال کر خوب ہلائیے۔ پانی لعاب سا بن جائے گا۔ یہ لُعاب صبح پینا شروع کریں۔ ۱۵-۲۰ دن میں مہاسے کم ہو سکتے ہیں۔

قد بڑھنے کی عمر

س: میری بیٹی کی عمر ۱۲ سال ۳ ماہ ہے۔ اس کا قد ۴ فیٹ ۶ اِنچ ہے۔ جسم بھی کم زور ہے۔ اکثر تھک جانے کی شکایت کرتی ہے۔ کبھی کبھی سر میں درد بھی ہوتا ہے۔ ڈاکٹر نے ایک شربت تجویز کیا تھا، اس سے کوئی افاقہ نہیں ہوا۔ ڈاکٹر عام کم زوری بتاتے ہیں۔ آپ سے مشورے کی طالب ہوں۔ از راہِ کرم یہ بھی بتا دیجیے کہ لڑکیوں کا قد کس عمر تک بڑھتا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ میری بیٹی کا قد بھی بڑھ جائے۔

تسنیم احمد، لاہور

ج: ابھی بیٹی کی عمر ایسی ہے کہ اگر اس کی صحت کا خیال رکھا جائے تو قد بڑھنے کا قوی امکان ہے۔ اس کی صحت کی خرابی کی جڑ معلوم کرنی چاہیے۔ اچھا ہے کہ کسی اچھے مقامی معالج سے مشورہ کر لیا جائے۔

ناک پر دانے

س: عمر ۱۸ سال ہے۔ میری ناک پر دانے نکلتے ہیں۔ میں شرم سے گھر سے باہر بھی نہیں نکل سکتا۔

محمود بلوچ، کراچی

ج: ناک پر دانے نکلنا اچھی بات نہیں ہے۔ یہ بڑی حساس جگہ ہے۔ دانوں کی تکلیف بڑھ کر بڑی تکلیف بھی بن سکتی ہے۔ خیال رہے کہ ناک کے دانوں کو کھجانا نہیں چاہیے۔ آپ حکنول کریم (ہمدرد) لے کر اسے استعمال کرنا شروع کریں۔ رات کو صافی استعمال کریں۔

ایکس ریز

س: انسان کی اندرونی بیماریوں کا ایکس رے سے کس طرح پتا چل جاتا ہے؟ محمد سعید گلاب، کراچی

ج: ایکس ریز سائنس کی بڑی اہم ایجاد ہے۔ اس کی مدد سے جسم کے اندر کی حالت کی تصویر آجایا کرتی ہے۔ ماہرین جانتے ہیں کہ گردوں کا ایکس رے کس طرح کرتے ہیں اور پھیپڑوں کا کیسے۔ ہڈی کا کس انداز سے اور سَر کا کس طریقے سے۔ ایکس ریز مشین جسم کے اندر کا فوٹو کھینچ لیتی ہے۔ ایکس ریز شعاعیں بہت تیز ہوا کرتی ہیں۔ ان سے جسمِ انسانی کو نقصان پہنچ جانے کا خطرہ بھی ہوتا ہے۔ اسی لیے ایکس ریز کا کم سے کم استعمال کیا جاتا ہے۔

Habib Bank Limited

قائم شدہ ۱۹۳۱

ہم ان کے درخشاں مستقبل کے خواہاں ہیں!

جبیب بینک ایک ترقی پسند، متحرک، جدید بینک ملک کے اندر ۱۸۰۰ سے زیادہ اور بیرونِ ملک ۶۸ شاخوں، ۱۶۰۰۰ سے زیادہ غیر ملکی نمائندوں، کمپیوٹر تنصیبات، نت نئی اسکیموں اور سہولتوں کے ذریعے ملک کے مستقبل کے لئے حتی المقدور کوشاں ہے۔

ہماری بچت کی اسکیمیں اور طالب علموں کا خصوصی شعبہ بچوں اور طالب علموں میں بچت کی عادت ڈالنے کے لئے ہمہ وقت سرگرم عمل ہے۔

حبیب بینک ملک کی ترقی و خوشحالی کے لئے نئی نسل کی سرپرستی کرتا ہے۔

حبیب بینک لمیٹڈ

PID (I)/HBL/80/ 1 U

manhattan International

سرورق کی کہانی

دوستی

شگفتہ جعفری، حیدر آباد

کہتے ہیں کہ کشمیر میں ایک خوب صورت سبزہ زار تھا۔ وہ سبزہ زار پھولوں سے بھرا ہوا تھا۔ وہاں بہت سارے جانور آزادانہ رہتے تھے۔ اس لیے وہ سبزہ زار شکاریوں کو بھی پسند تھا۔ اس جنگل میں ایک گھنے درخت پر ایک کوّے کا گھونسلا تھا۔ ایک دن وہ شاخ پر بیٹھا ہوا دائیں بائیں دیکھ رہا تھا۔ اچانک اس کی نظر ایک شکاری پر پڑی۔ شکاری ایک جال اور لاٹھی لیے ہوئے اسی طرف آرہا تھا۔ کوّا ڈر گیا اور اپنے آپ سے کہنے لگا کہ یہ شکاری یقیناً شکار کے لیے اسی طرف آرہا ہے۔ بہتر ہے کہ میں ایک کونے میں چھپ جاؤں اور دیکھوں کہ یہ کیا کرتا ہے۔

شکاری نے جال زمین پر پھیلا دیا۔ کچھ دانے اس پر پھینکے اور خود ایک کونے میں چھپ گیا۔ تھوڑی دیر بعد کبوتروں کا ایک غول وہاں پہنچا۔ غول کے آگے ایک کبوتر تھا جس کا نام طوقی تھا۔

وہ ان کبوتروں کا رہنما تھا۔

کبوتروں کا غول دانوں کو دیکھتے ہی دھوکا کھا گیا۔ وہ نیچے اُتر آئے اور دانے کھانے شروع کر دیے۔ جال بند ہو گیا اور وہ پھنس گئے۔ طوقی بہت پریشان ہوا، جب کہ شکاری بہت خوش تھا۔ وہ اپنی جگہ سے باہر آیا اور جال کی طرف چل دیا۔ سارے کبوتر پریشان تھے۔ وہ پھڑپھڑانے لگے اور ہر کسی نے اپنی طرف اُڑنا شروع کر دیا، مگر اب سب کچھ بے کار تھا۔ طوقی نے ان سے کہا، "تم میں سے ہر کوئی اپنی نجات کی فکر میں ہے اور جال کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔ اس کام کے بجائے تمھیں اپنے دوستوں کی فکر کرنی چاہیے اور سب کو مل کر جال کو زمین سے اونچا اُٹھانا چاہیے۔ پہلے ہم شکاری سے دور ہو جائیں، بعد میں سوچیں گے کہ ان گرہوں سے کس طرح نجات پائیں۔" سب کبوتر آپس میں متحد ہو گئے۔ جال کو زمین سے اونچا کیا اور آسمان کی طرف اُڑ گئے۔

شکاری حیران ہو رہا تھا اور ان کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ آخر میں تھک جائیں گے اور زمین پر آ گریں گے۔ کوّا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنے آپ سے کہا کہ بہتر ہے کہ میں بھی ان کے ساتھ جاؤں اور دیکھوں کہ یہ کیا کرتے ہیں۔ ممکن ہے ایسا ہی اتفاق میرے ساتھ بھی ہو جائے۔ مجھے اس سے سبق اور تجربہ حاصل کرنا چاہیے۔

جب طوقی نے دیکھا کہ شکاری اب بھی ان کے پیچھے آ رہا ہے تو اپنے دوستوں سے کہا، "یہ لالچی شکاری ابھی تک ہمارے پیچھے ہے۔ ہمیں آبادی کی طرف جانا چاہیے تاکہ درختوں کے پیچھے غائب ہو جائیں اور اس سے جان چھوٹ جائے۔ قریب ہی میرا ایک دوست چوہا رہتا ہے۔ اس کا نام زیرک ہے۔ ہم اس کے پاس جائیں گے اور وہ ہمارے پھندے کھول دے گا۔"

کبوتروں نے بات مان لی اور آبادی کی طرف اُڑنے لگے۔ کچھ دیر کے بعد وہ شکاری کی آنکھ سے اوجھل ہو گئے۔ شکاری بے بس ہو گیا اور واپس چلا گیا۔ کوّا ان کے پیچھے اُڑ رہا تھا تاکہ ان کا انجام دیکھے۔ کچھ دیر بعد طوقی اور اس کے دوست زیرک کے گھر پہنچے۔ کوّا بھی ایک کونے میں چھپ گیا۔ طوقی نے زیرک کو آواز دی۔ زیرک اس کی آواز پہچان کر بل سے باہر آیا۔ اس کی نظر طوقی پر پڑی اور اسے جال میں پایا تو بہت پریشان ہوا۔ طوقی نے اس کو ساری کہانی سنائی۔ زیرک نے طوقی کے پاؤں کے پھندے کاٹنے شروع کیے۔ طوقی نے کہا کہ پہلے دوسروں کے پاؤں کے پھندے کھولو۔ زیرک نے اس کی بات پر توجہ نہ کی۔

طوقی نے دوبارہ کہا، "میرے مہربان دوست! میرے دوستوں کے پاؤں کے پھندے کاٹنا زیادہ ضروری ہے۔" زیرک نے پوچھا، "کیا تجھے اپنی جان پیاری نہیں؟ تیرا دل نہیں چاہتا کہ تو آزاد ہو؟" طوقی نے کہا کہ میں نے ان کبوتروں کی سرپرستی اور رہبری کا ذمہ لیا ہے۔ مجھے ان کی فکر کرنی چاہیے۔ ان کی مدد تھی تو میں نے بھی رہائی حاصل کی۔ میں ڈرتا ہوں کہ میرے پھندے کاٹ کر تو تھک جائے گا اور میرے دوستوں کے پھندے نہیں کھول سکے گا۔ اگر تو پہلے ان کے پھندے کھول دے گا تو پھر چاہے تو کتنا بھی تھکا ہو، تو میرے پھندے ضرور کھولے گا۔ زیرک اس کی بات سن کر بہت خوش ہوا۔ پھر اس نے پہلے دوسرے کبوتروں کو آزاد کیا، بعد میں طوقی کے پھندے کھولے۔ کبوتروں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور وہاں سے اُڑ گئے۔

کوّے نے یہ تمام ماجرا دیکھا اور تمام باتیں سُنیں۔ اپنے دل میں سوچا کہ یہ کتنا اچھا دوست ہے۔ شاید کسی روز میرے ساتھ بھی ایسا ہو۔ میں بھی ایسا مہربان دوست تلاش کروں، چاہے میرے ساتھ ایسا نہ ہو لیکن ایک مہربان دوست بھی تو بڑی نعمت ہے۔

میں چوہے سے دوستی کروں گا۔ یہ سوچ کر وہ زیرک کے بل کے پاس گیا اور اس کو آواز دی۔ چوہے نے پوچھا، "تو کون ہے؟" کوّے نے اپنا پورا تعارف کرایا اور کہا کہ میں تجھ سے دوستی کرنا چاہتا ہوں۔

زیرک نے کہا کہ میں اور تو کس طرح ایک دوسرے کے دوست ہو سکتے ہیں؟ چوہے ہمیشہ کوّوں کی لذیذ غذا رہے ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ تیرے ساتھ دوستی کروں اور ہمیشہ خوف سے پریشان رہوں۔ کوّے نے کہا، "تجھے کھا کر میں صرف چند لمحوں کے لیے خوش ہوں گا لیکن تیری میری دوستی ہم دونوں کے لیے مفید ہے۔ میں تجھ جیسے ہوشیار اور مہربان چوہے سے گزارش کرتا ہوں کہ میری دوستی قبول کرلے گا۔" لیکن زیرک نہ مانا۔

کوّے نے غم زدہ ہو کر کہا، "دیکھ مجھے تیری دوستی کی ضرورت ہے۔ اگر تو میرا دوست نہ بنا تو میں اسی جگہ رہوں گا۔ نہ کچھ کھاؤں پیوں گا اور نہ سوؤں گا۔" اب زیرک راضی ہو گیا۔

کوّے نے کہا کہ اگر تم پسند کرتے ہو تو ہم دونوں جنگل میں جائیں تا کہ ہماری دوستی اور مضبوط ہو جائے۔ زیرک نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کوّے نے کہا کہ شاید تو اب بھی مجھ سے ڈرتا ہے۔ زیرک نے جواب دیا کہ میں جب کسی سے دوستی کرتا ہوں تو اس کے لیے ہر کام کرتا ہوں یہاں تک کہ اس

کے لیے اپنی جان تک قربان کر سکتا ہوں۔ تیری سچائی اور مہربانی میرے نہ ڈرنے کی دلیل ہے۔ لیکن تیری دوستی میں ایک مشکل ہے۔ میں اور تو دوست ہیں لیکن تیرے رشتے دار اور تیری قوم ممکن ہے تیری طرح نہ سوچتی ہو۔ وہ لوگ میرے دشمن ہیں۔ میں ڈرتا ہوں کہ جب وہ دیکھیں گے تو مجھے مارنے کے منصوبے بنائیں گے۔

کوّے نے جواب میں کہا، "تو اگر میرا دوست ہے تو میرے دوستوں کا بھی دوست ہے۔ اگر کسی نے بھی تجھے تکلیف دی تو ہم اس سے قطع تعلق کرلیں گے۔" زیرک بہت خوش ہوا۔ پھر کوّے اور چوہے کی دوستی ہو گئی۔

ایک دن چوہے نے کوّے سے کہا کہ اگر تو اپنے بیوی، بچوں کو بھی یہیں لے آئے تو بہت اچھا ہو گا۔ ہم اکھٹے یہاں رہ سکتے ہیں۔ کوّے نے کہا، "لیکن مجھے ایک سبزہ زار کا پتا ہے جو شاداب پھولوں سے بھرا ہوا ہے۔ ایک کچھوا بھی میرا دوست ہے۔ اس کا وہاں گھر ہے۔ اس کے علاوہ وہاں اچھے اور مزے دار کھانے ہیں اور شکاریوں کو بھی اس جگہ کا علم نہیں۔ اگر تو پسند کرے تو وہاں چلتے ہیں۔" زیرک نے کہا، "میری ایک آرزو ہے کہ میں تجھے خوش رکھوں۔ تیرا آرام میرا آرام ہے۔ اگر سچ پوچھو تو میں یہاں اپنی مرضی سے نہیں آیا۔ کبھی فرصت میں تمھیں سارا ماجرا سناؤں گا۔" کوّے نے زیرک کی دم چونچ سے پکڑی اور سرسبز جنگل کی طرف اڑ گیا۔ اُڑتے اُڑتے وہاں پہنچ گیا۔

کوّے نے زیرک کو آرام سے زمین پر اُتارا، کچھوے کو آواز دی۔ وہ جلدی سے پانی سے باہر آیا۔ ایک دوسرے کا حال پوچھا۔ کوّے نے کبوتروں کے گرفتار ہونے اور ان کی رہائی اور اپنی اور زیرک کی دوستی کی تمام کہانی سنائی۔ کچھوا یہ سب سن کر بہت خوش ہوا۔ سفر کی تھکن ختم ہوئی تو وہ اکھٹے بیٹھ گئے۔ کوّے نے زیرک سے کہا کہ اپنی زندگی کے قصے سناؤ۔ زیرک نے کہا: "بہت پہلے کا قصہ ہے۔ میں نیشاپور میں پیدا ہوا۔ جب بڑا ہوا تو ایک شخص کے کمرے میں بل بنا لیا۔ وہ شخص اکیلا تھا ہر روز دوپہر کے وقت اس کے کسی دوست کے گھر سے اس کے لیے کھانا آتا تھا۔ وہ اس میں سے کچھ کھا لیتا اور باقی شام کے لیے بچا لیتا۔ جب وہ گھر سے باہر جاتا تو میں اس میں سے کچھ کھا لیتا اور کچھ اپنے دوستوں کے لیے لے جاتا تھا۔ وہ آدمی مجھ سے تنگ آچکا تھا۔ مجھے پکڑنے اور مارنے کے کئی جتن کیے مگر کچھ نہ ہوا۔ میری زندگی اسی طرح گزر رہی تھی۔ ایک رات اس آدمی کے ہاں مہمان آیا۔ انھوں نے رات کا کھانا کھایا۔ باقی کھانا اپنے سے دُور رکھ دیا اور

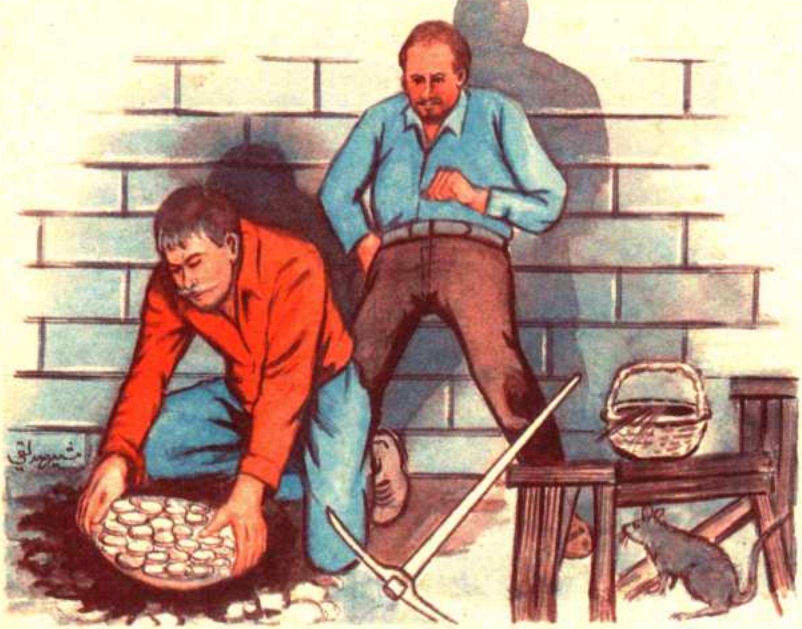

باتیں کرنے لگے۔ اس دوران میزبان نے کئی مرتبہ تالیاں بجائیں۔ اس کے مہمان کو غصّہ آگیا۔ اس نے کہا کہ تو نے میرا مذاق اُڑایا ہے۔ میں باتیں کر رہا ہوں اور تو تالیاں بجا رہا ہے۔ میزبان نے کہا، ”معاف کرنا، ایسا میں اس لیے کر رہا ہوں تاکہ چوہوں کو بھگاؤں۔ اگر میں ایسا نہ کروں تو چوہے ذرا سی دیر میں یہ کھانا کھا جائیں گے۔“ مہمان نے کہا، ”کدال لے کر آؤ۔ ہم دیکھتے ہیں کہ چکّر کیا ہے؟“

اس سے پہلے کہ میں باقی داستان سناؤں، مجھے ایک چیز آپ کو بتانی ہے۔ بل میں ایک ہزار دینار تھے۔ میں نہیں جانتا تھا کہ انھیں کس نے وہاں رکھا ہے۔ میں اکثر ان سکّوں پر لوٹتا تھا۔ مجھے ایسا کر کے بڑی خوشی ہوتی تھی۔ دوسرے چوہے بھی جانتے تھے کہ میرے پاس ہزار دینار کے سکّے ہیں، اس لیے وہ میرا احترام کرتے تھے اور میری تعریف کرتے تھے۔ اب میں اصل قصّے کی طرف جاتا ہوں۔

میزبان ایک کدال لے آیا۔ مہمان نے زمین کو کھودنا شروع کیا اور آخر سکّے تلاش کر لیے۔ اس

نے میزبان سے کہا کہ ان سکّوں نے چوہے کو چالاک اور بہادر بنا دیا ہے۔ اب تجھے اس بات کی فکر نہیں ہوگی، کیوں کہ اب تُو نے چوہوں کی تکلیف سے ہمیشہ کے لیے نجات پالی ہے۔ میں اپنے بِل میں چھپا ہوا یہ تمام باتیں سن رہا تھا۔ جب انھوں نے سکوں کو اُٹھایا اور باتیں کیں تو میں بہت پریشان ہوگیا۔ مجھے احساس ہوا کہ میں کمزور ہوگیا ہوں۔ جب دوسرے چوہوں کو اس بات کی خبر ہوگی تو وہ کیا کہیں گے۔ یقیناً اب وہ میرا احترام نہیں کریں گے اور میری بات نہیں مانیں گے۔

میزبان اور مہمان نے پیسوں کو آپس میں بانٹا۔ انھیں اپنے تکیے کے نیچے رکھ کر سو گئے۔ میں نے ایک منصوبہ بنایا تاکہ دوبارہ ان پیسوں کو واپس لاؤں۔ میں آہستہ آہستہ بِل سے باہر آیا اور ان کی طرف گیا۔ جیسے ہی میں سکّوں تک پہنچا ایک بہت مضبوط چیز میرے پاؤں پر آکر گری۔ مہمان جاگا ہوا تھا اور اس نے میرے ایک لکڑی ماری تھی۔ میں لنگڑاتا ہوا واپس آگیا۔ کچھ دیر بعد میں پھر سوراخ سے باہر آیا اور ان کی طرف گیا۔ میں سوچ رہا تھا کہ یہ دونوں اب سو گئے ہیں، لیکن مہمان ابھی بیدار تھا۔ اس نے لکڑی زور سے میری پیٹھ پر ماری۔ میں درد سے بے ہوش ہونے والا تھا مگر ہمت سے کام لے کر خود کو بڑی مشکل سے بِل تک پہنچایا۔ میں سمجھ گیا کہ دنیا کی تمام خرابیاں، لالچ اور کمینے پن سے ہیں، تمام پریشانیاں اور درد مال و دولت کے حرص سے ہیں۔ میں نے سوچا کہ مجھے مال و دولت کے پیچھے نہیں جانا چاہیے۔ دنیا کی بہترین چیز دوستی اور مہربانی ہے۔ اس واقعے کے بعد میں نے جنگل میں اپنا گھر بنایا۔ وہاں پر میری دوستی طوطی کے ساتھ ہوگئی۔

ابھی یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ وہاں ایک ہرن آنکلا۔ وہ بہت ڈرا ہوا تھا۔ اس کو دیکھ کر سب ڈر گئے۔ کچھوا پانی میں چُھپ گیا، کوّا درخت پر چلا گیا اور چوہا ایک کونے میں چھپ گیا۔

ہرن دریا کی طرف گیا۔ پانی پیتے ہوئے وہ اپنے اردگرد بھی دیکھ رہا تھا۔ کوّا اُڑا اور اِدھر اُدھر نظر دوڑائی تاکہ دیکھ سکے کہ کوئی شکاری اس کے پیچھے تو نہیں ہے۔ اسے شکاری نظر نہ آیا۔ بعد میں سب ساتھی اپنی پناہ گاہوں سے باہر آئے۔ وہ سب ہرن کے پاس گئے اور اس سے ڈرنے کی وجہ معلوم کی۔

ہرن نے کہا کہ میں نے ایک بوڑھے کو دیکھا تھا۔ شاید وہ شکاری ہے۔ کچھوے نے کہا کہ ڈرو نہیں۔ کوئی بھی شکاری یہاں نہیں آسکتا۔ اگر تیرا دل چاہے تو یہیں ہمارے پاس رہ۔ ہرن خوشی سے ان کے پاس رہنے لگا۔

دن بہت اچھے اور خوشی سے گزر رہے تھے۔ ایک روز کوّا، زیرک اور کچھوا اکھٹّے ہوئے۔ ہرن نہیں آیا تھا۔ یہ لوگ بہت پریشان ہوئے۔ زیرک اور کچھوے نے کوّے سے خواہش ظاہر کی کہ ہرن کو تلاش کرے۔ کوّا ہر جگہ گیا۔ کچھ دیر بعد اس کی نظر ہرن پر پڑی۔ وہ ایک جال میں پھنسا ہوا تھا۔ کوّا جلدی واپس آیا اور اپنے دوستوں کو بتایا۔ چوہا جلدی سے ہرن کی طرف گیا اور جال کے پھندے کاٹنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد کچھوا نظر آیا جو آہستہ آہستہ ان کی طرف آ رہا تھا۔ ہرن نے پریشانی کے ساتھ کچھوے سے کہا، "میرے پیارے بھائی! تو نے یہ کیا خطرناک کام کیا؟ تجھے ادھر نہیں آنا چاہیے تھا۔ شکاری آ گیا تو میں، زیرک اور کوّا جلدی سے بھاگ جائیں گے لیکن تو جلدی سے نہیں دوڑ سکتا۔" کچھوے نے کہا، "تو پریشان نہ ہو۔ چوہا ابھی تجھے جال سے رہا کرا دے

گا اور ہم سب یہاں سے ساتھ چلے جائیں گے۔"
اتنے میں شکاری نظر آ گیا۔ چوہے نے آخری گرہ کاٹی اور ہرن آزاد ہو گیا۔ کوّا اُڑ گیا اور چوہا جھاڑیوں میں چھپ گیا۔ شکاری مایوس ہو گیا۔ اچانک اس کی نگاہ کچھوے پر پڑی۔ اس نے اسے تھیلے میں ڈالا اور چلا گیا۔

سب کو کچھوے کی گرفتاری پر سخت پریشانی تھی۔ آخر چوہے کی سمجھ میں ایک ترکیب آ گئی اور اس نے سب کو بتادی۔ وہ سب اکھٹے شکاری کی طرف گئے اور اس کے راستے میں کھڑے ہو گئے۔ ہرن لنگڑاتا ہوا چل رہا تھا۔ کوا اس کے اوپر اُڑ رہا تھا۔ شکاری ہرن کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اس نے تھیلا زمین پر رکھا اور ہرن کے پیچھے دوڑا۔ ہرن تھوڑا سا دوڑا اور پھر کھڑا ہو گیا۔ شکاری دوبارہ اس کے پیچھے گیا۔ اس طریقے سے شکاری تھوڑا تھوڑا کر کے وہاں سے دُور ہوتا گیا۔ زیرک نے جلدی سے تھیلے کو کاٹا اور کچھوے کو آزاد کروایا۔ تھوڑی دیر بعد شکاری مایوس ہو کر اپنے تھیلے کی طرف آیا۔ وہاں پہنچا تو دیکھا کہ تھیلے کا منہ کھلا ہوا ہے اور کچھوا بھاگ گیا ہے۔ جال کے پھندوں کا کٹ جانا، ہرن کا بھاگ جانا، کچھوے کا نہ ملنا، ہرن کا زخمی ہونا، کوّے کا ہرن کے اوپر اُڑنا، تھیلے کا کٹنا اور کچھوے کا بھاگ جانا۔ سب حیرت ناک تھا۔ شکاری نے سوچا کہ یہ جادوگروں کی زمین ہے۔ زیرک، ہرن، کچھوا اور کوّا اکھٹے ہوئے اور جشن منایا۔

عورت۔ کہاوتیں

۱۔ آدمی کو نکتہ چینی کے لیے عورت کی ضرورت ہے۔ (اٹلی کہاوت)
۲۔ عورت کا پیار اس چشمے کی طرح ہے جو کبھی خشک نہیں ہوتا۔ (ایرانی کہاوت)
۳۔ اگر عورت کا دِل نہیں بولتا تو اس کی آنکھیں بولتی ہیں۔ (بلغاروی کہاوت)
۴۔ عورت اور خربوزے کا انتخاب کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ (فرانسیسی کہاوت)
۵۔ ہنستی ہوئی عورت اور روتے ہوئے مرد پر بھروسا کبھی نہ کرو۔ (روسی کہاوت)

مرسلہ: الماس محبوب، شمالی کراچی

ملایا کی کہانی

چوتھا کہاں گیا؟

اشرف نوشاہی

ایک دن چار دیہاتی اپنے گاؤں کے قریبی دریا پر مچھلیاں شکار کرنے گئے۔ صبح سے سہ پہر تک وہ وہاں رہے اور بہت سی مچھلیاں پکڑیں۔ یہ ساری مچھلیاں پہلے تو ہر ایک نے اپنے پاس ڈھیر کرلیں۔ اور پھر ان کو بانس میں پرو کر ہر ایک نے اپنے اپنے کندھے سے لٹکالیا اور گھر چل دیے۔ وہ بہت خوش تھے۔

ایک نے کہا، "آج کا دن تو بہت اچھا رہا۔ ہماری بیویاں اتنی ساری مچھلیاں دیکھ کر بہت خوش ہوں گی۔

دوسرے نے کہا، "پھر وہ خوب مزے دار مچھلی پکائیں گی اور ہم سب کے گھر والے مل کر کھائیں گے۔"

اُن کی اِن باتوں پر باقی دو نے کچھ نہیں کہا، صرف سر ہِلا دیا۔

جب وہ تھوڑی دُور آگئے تو اچانک ان میں سے ایک میں سے ایک رُک گیا۔ وہ کچھ دیر سر جُھکائے سوچتا رہا اور پھر عجیب عجیب سی نظروں سے دوسروں کو دیکھنے لگا۔

اس کے ساتھیوں میں سے ایک نے پوچھا، "کیا ہوا؟"

اس کے مُنھ سے نکلا، "وہ چوتھا کہاں گیا؟"

باقی سب نے ایک آواز میں پوچھا، "کیا مطلب؟"

وہ دوسروں کو سمجھاتے ہوئے بولا، "بھئی دیکھو! صبح جب ہم گھر سے آئے تھے تو چار تھے۔ اب ہم صرف تین ہیں۔ چوتھا کہاں گیا؟"

اس بات پر سب حیران ہوگئے۔ اب دوسرے نے گِننا شروع کیا: "ایک۔ دو۔ تین ..." اس نے باقی کو تو گِنا خود کو بھول گیا اور بول اُٹھا، "ارے واقعی چوتھا کہاں گیا؟"

اسی طرح باقی دو نے بھی باری باری گِنا اور چوں کہ ہر کوئی خود کو نہیں گِنتا تھا، اس لیے ان چاروں کو یقین آگیا کہ وہ واقعی تین رہ گئے ہیں۔ اب تو ان کی سِٹّی گُم ہوگئی۔ وہ سب سوچنے لگے کہ چوتھا اگر غائب ہُوا تو کیسے؟

آخر ان میں سے ایک چیخا، "ہو نہ ہو، وہ بے وقوف ابھی تک مچھلیاں ہی پکڑ رہا ہوگا۔"

اُس کی یہ بات سب کے دل کو لگی۔ وہ دریا کی طرف بھاگے مگر دریا کے کنارے تو خود رو گھاس کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ انھیں بڑی مایوسی ہوئی۔ ایک روہانسا ہو کر بولا، "آخر اُسے ہُوا کیا؟ زمین کھا گئی یا آسمان نِگل گیا؟"

ایک دُور کی کوڑی لایا، "ہو سکتا ہے وہ دریا میں گر گیا ہو۔ آؤ دیکھیں ورنہ اس کی بیوی ہمارا نجانے کیا حشر کرے۔"

وہ اِدھر اُدھر اُسے ڈھونڈتے رہے مگر وہ نہ ملنا تھا نہ مِلا، البتہ ایک مکّار اور کام چور آدمی ان کو مِل گیا۔ وہ کافی دیر سے چھُپ کر ان کی حرکتیں دیکھ رہا تھا اور سمجھ گیا تھا کہ یہ سب بے وقوف اور گاؤدی ہیں۔ اُس نے ان سے مچھلیاں ٹھگنے کی ٹھانی۔

وہ اچانک ان کے سامنے آکر بولا، "شام بخیر دوستو! کیسے ہو؟"

اُن میں سے ایک بولا، "ہم بڑی مصیبت میں ہیں۔"

وہ بناوٹ سے بولا، "ارے! کیا ہوگیا؟"

اُنھوں نے اُسے سب قصّہ سنایا کہ ہم چار دوست گھر سے شکار کو آئے تھے۔ مگر ہمارا چوتھا ساتھی غائب ہوگیا ہے۔ وہ دل ہی دل میں اُن کی حماقت پر ہنس رہا تھا مگر اُوپری دل سے ہمدردی کرتے ہوئے بولا، "اِدھر اُدھر دیکھا بھی ہے؟"

چاروں افسردہ ہو کر بولے، "ہاں بڑا تلاش کیا ہے۔ مگر وہ مل ہی نہیں رہا۔"

"اب ہم اس کی بیوی سے کیا کہیں گے۔ وہ تو ہماری جان کو آجائے گی۔ ہے بھی بڑی لڑاکا۔"

مکّار اور کام چور آدمی نے بڑی مصنوعی حیرت سے یہ سب باتیں سُنیں۔ کچھ دیر یونہی سامنے گھورتا رہا، پھر اچانک لرزنے لگا اور گھٹنوں کے بل زمین پر گر پڑا۔ اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

وہ چاروں اس کی یہ حالت دیکھ کر اور بھی ڈر گئے۔ وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولا، "تم کہہ رہے رہے تھے کہ تم چار تھے؟"

"ہاں ہم چار تھے۔"

"دریا پر تم چاروں نے مچھلیاں پکڑیں؟"

"ہاں ہم چاروں نے مچھلیاں پکڑیں۔"

"لیکن اب صرف تین رہ گئے ہو۔" وہ بظاہر لرزتا ہُوا مگر اندر سے اپنی ہنسی ضبط کرتا ہُوا بولا۔

چاروں نے ایک آواز ہو کر کہا، "ہاں ہم صرف تین رہ گئے ہیں۔"

وہ آدمی بولا، "اوہ میرے اللہ!"

وہ چاروں لرز گئے" کیا ہوا ؟"

وہ بُری طرح کانپنے لگا اور بولا" مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

وہ بے وقوفوں کی طرح بولے،" ڈر تو ہمیں بھی لگ رہا ہے، مگر کس بات سے یہ معلوم نہیں۔"

وہ کانپتے ہوئے بولا،" میں بتاتا ہوں کہ مجھے کیوں ڈر لگ رہا ہے۔ وہ چوتھا اس لیے غائب ہے کہ وہ تمھارا دوست تھا ہی نہیں۔"

چاروں کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔ وہ بولے،" تو پھر کون تھا وہ ؟"

وہ بولا،" وہ ؟ وہ تو جن تھا۔ وہ جن تھا جن ..." یہ کہہ کر وہ گاؤں کی طرف بھاگ نکلا۔

ان چاروں نے احمقوں کی طرح ایک دوسرے کو دیکھا پھر انھوں نے اپنی اپنی مچھلیاں وہیں پھینک دیں اور خود بھی یہی چیختے ہوئے بھاگ نکلے،" وہ جن تھا جن۔"

وہ ایسے بھاگے کہ مُڑ کر یہ بھی نہ دیکھا کہ کام چور آدمی ایک درخت کی اوٹ سے نکل کر ان کی مچھلیاں جمع کر رہا ہے۔ جب سب مچھلیاں جمع ہوگئیں تو وہ ان کو بڑے مزے سے اپنے گھر لے گیا۔

اس کے کام چور ہونے سے اس کی بیوی بڑی تنگ تھی۔ آج اس نے پہلے سے ڈنڈا تیار کر رکھا تھا کہ آتے ہی اس کام چور کی خبر لوں گی، لیکن کام چور کی قسمت اچھی تھی۔

اپنے شوہر کو دیکھ کر اس کی باچھیں کھِل گئیں، کیوں کہ وہ ڈھیروں مچھلیاں لے کر آیا تھا۔ وہ اپنی بیوی سے بولا،" صبح سے اب تک پکڑ پکڑ کر تھک گیا ہوں اب تم جلدی سے ایک کو پکا ڈالو اور باقی کو سنبھال کر رکھ دو۔"

" ابھی لو۔" بیوی نے کہہ کر ڈنڈا صحن کے کونے میں پھینکا اور مچھلی پکانے بیٹھ گئی۔

کیا آپ جانتے ہیں ؟

- انکل سام (UNCLE SAM) ریاست ہائے متحدہ امریکا کے باشندے کو کہتے ہیں۔
- ونڈیز (WINDIES) جزائر غرب الہند (ویسٹ انڈیز) کے باشندوں کو کہتے ہیں۔
- اوسیز (AUSSIES) اوسٹریلیا کے باشندوں کو کہا جاتا ہے۔
- کیویز (KIWIS) نیوزی لینڈ کے باشندوں کو کہتے ہیں۔

یہ نام بہ طور عرف بول چال میں مشہور ہیں۔

میری گڑیا

متین فطرت

میری گڑیا بھولی بھالی — سب سے انوکھی سب سے نرالی
سُرخ سنہری بال ہیں اس کے — لال گلابی گال ہیں اس کے
جھیل سی نیلی آنکھیں اس کی — حیرت افزا باتیں اس کی
جب دِل چاہے بولتی ہے یہ — کُم کُم آنکھیں کھولتی ہے یہ
چَم چَم ، برفی ، لڈّو کھائے — چھم چھم اُچھلے کُودے گائے
سب سے کھیلے آنکھ مچولی — نقل و حرکت اس کی جولی
اَپ ٹُو ڈیٹ اور فیشن ایبل — جدّت کی ہے فکر اسے ہر پَل
دیکھو دیکھو میری سہیلی — کتنی پیاری اور البیلی
ایسی مُونس ایسی ہمدَم — اس کے دم سے دُور ہیں سب غم
مانا تیری گڑیا ہوگی — مَکر و فَن کی پُڑیا ہوگی
ایسی گڑیا جو بھی دکھائے — ہم سے بالُو شاہی کھائے

روس کی لوک کہانی

ماشا کی کہانی

روس کی یہ لوک کہانی ہمیں گوجرہ سے ساجدہ رحمٰن
اور خیر پور میرس سے وزیر حسین شاہ نے ترجمہ کرکے بھیجی ہے۔

ماشا ایک چھوٹی سی لڑکی تھی۔ وہ اپنے نانا اور نانی کے ساتھ رہتی تھی۔ ان کا گھر جنگل کے قریب تھا۔

ایک دن ماشا کے سب دوست جنگل میں بیر توڑنے جا رہے تھے۔ ماشا کا بھی جی چاہا کہ ان کے ساتھ جائے۔ اس کے نانا نے اجازت تو دے دی، مگر ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ دیکھنا دھیان سے جانا، جنگل میں کہیں راستہ نہ بھول جانا۔

سب بچے جنگل میں چلے گئے۔ وہاں وہ جھاڑیوں میں سے بیر توڑنے لگے۔ ماشا نے بھی بہت سے بیر اکھٹے کرلیے، لیکن نئی سے نئی جھاڑی کی تلاش میں وہ باقی دوستوں سے دُور نکل گئی۔ جب اسے ہوش آیا تو آس پاس کوئی نہیں تھا اور اُسے راستے کا پتا بھی نہ تھا۔

گھنے جنگل کا یہ سب سے گھنا حصہ تھا۔ ماشا کو ڈر لگ رہا تھا۔ اچانک سامنے اُسے ایک چھوٹا سا گھر نظر آیا۔ ماشا نے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا، مگر کوئی باہر نہ آیا اور نہ کسی کی آواز آئی۔ وہ دروازہ کھول کے اندر چلی گئی۔ اندر تو کوئی بھی نہیں تھا۔ جانے اس گھر میں کون رہتا تھا۔

اُس گھر میں دراصل ایک بہت بڑا بھالو رہتا تھا۔ وہ جنگل میں سیر کرنے گیا ہُوا تھا۔ جب وہ واپس آیا تو ماشا کو دیکھ کر بہت خوش ہُوا اور اس سے بولا، "اے لڑکی! اب تُو ہمیشہ یہیں رہے گی، میرا کھانا پکائے گی اور میری خدمت کرے گی۔ ہو ہو"۔ اس طرح غریب ماشا نے وہیں رہنا شروع کر دیا۔ کچھ دن تو بہت اُداس رہی۔ پھر صبر کر لیا۔ اور کرتی بھی کیا اس کو تو وہاں سے گھر کا راستہ بھی نہیں آتا تھا۔

وہ سارا سارا وقت یہی سوچتی رہتی کہ اپنے نانا، نانی کے پاس کس طرح پہنچے۔ آخر اس کو ایک ترکیب سُوجھ گئی۔ اُس دن شام کو جب بھالو گھر آیا تو ماشا کہنے لگی، "بھالو میاں!

مجھے ایک دن کے لیے اپنے گاؤں چلا جانے دو۔ میں اپنی نانی کے لیے حلوا پکا کے لے جانا چاہتی ہوں"۔
"نہیں لڑکی نہیں،" بھالو غرّایا، "تو جنگل میں راستہ بھول جائے گی۔ حلوا پکا کے مجھے دے دے۔ میں خود انھیں پہنچا دوں گا"۔

بس یہی تو ماشا چاہتی تھی۔

اس نے حلوا پکایا، ایک تھالی میں ڈالا اور تھالی کو ایک بڑی ٹوکری پر رکھ دیا اور بھالو سے کہنے لگی، "لو یہ لے جاؤ۔ مگر دیکھو راستے میں نہ ٹوکری کھولنا اور نہ حلوا کھانا۔ میں ایک اونچے

درخت پر چڑھ کر تمھیں دیکھتی رہُوں گی، میری نظر بڑی تیز ہے"۔

"اچھّا بابا اچھّا"، بھالو بولا،" لا دے ٹوکری"۔ "اچھّا ذرا پہلے باہر نکل کر تو دیکھ لو کہیں بارش تو نہیں ہو رہی"، ماشا بولی اور بھالو باہر نکلا تو ماشا جلدی سے خود ٹوکری میں بیٹھ گئی پھر حلوے کی تھالی سر کے اوپر رکھی اور ٹوکری بند کرلی۔

بھالو واپس اندر آیا، ٹوکری کندھے پر اُٹھائی اور گاؤں کی طرف چل پڑا۔ چلتے چلتے بھالو تھک کے چُور ہو گیا۔ راستے میں ایک ندی آئی تو بھالو کہنے لگا،" ندی کا کنارا ہے اور حلوے کی خُوشبُو بھی آرہی ہے۔ میرا خیال ہے یہیں بیٹھ کے آرام کرلوں اور تھوڑا سا حلوا بھی اُڑالوں"۔

ماشا فوراً ٹوکری میں سے بولی،" میں دیکھ رہی ہوں، خبردار جو تم بیٹھے اور خبردار جو تُم نے میری نانی کا حلوا کھایا"۔

"ارے! اِس لڑکی کی آنکھیں تو بہت ہی تیز ہیں"، بھالو بولا اور جلدی سے ٹوکری اُٹھا کے چل پڑا۔

چلتے چلتے جب وہ تھکن سے بالکل گرنے لگا تو اُس نے پھر کہا،" گاؤں تو ابھی بہت دُور ہے اور حلوے کی خوش بُو آرہی ہے، میرا خیال ہے کہ تھوڑا سا اُڑالوں"۔

ماشا پھر ٹوکری میں سے بولی،" میں دیکھ رہی ہوں۔ میں دیکھ رہی ہوں۔ خبردار جو تُم نے حلوا کھایا"۔

"ارے باپ رے باپ"، بھالو کہنے لگا،" یہ لڑکی تو بڑے کمال کی ہے۔ میرے گھر کے پاس درخت پر بیٹھی ہے اور اتنی دُور سے میری ہر بات دیکھ بھی رہی ہے اور سُن بھی رہی ہے"۔

سٹپٹا کے اس نے ٹوکری اُٹھائی اور جلدی جلدی ماشا کے گھر پہنچا اور زور سے دروازہ کھٹکھٹایا۔

مگر اتنی دیر میں گاؤں کے کتّوں کو بھالو کی بُو لگ گئی تھی۔ وہ سب کے سب اِکھٹے ہو کر بھونکتے ہوئے اس کے پیچھے پڑ گئے۔ بھالو جو گھبرایا تو ٹوکری وہیں دروازے پر چھوڑ کر سیدھا اپنے گھر کی طرف بھاگا، شور سُن کے ماشا کے نانا باہر نکلے، تو دیکھا ایک ٹوکری پڑی ہوئی ہے۔ ٹوکری کھولی تو ماشا جیتی جاگتی ہنستی ہوئی باہر نکل آئی۔ نانا اور نانی نے ماشا کو خوب پیار کیا اور اس کی عقل مندی پر بھی شاباشی دی۔ پھر سب ہنسی خوشی رہنے لگے۔

ہمدرد انسائکلو پیڈیا

س : ہم ٹیلے فون پر کس طرح بات کرتے ہیں ؟ یہ کس عمل کے تحت کام کرتا ہے ؟

عبداللطیف حاجی موسیٰ ، کراچی

ج : ٹیلے فون بجلی اور آواز کے باہمی تعلق پر کام کرتا ہے ۔ اگر قدرتی طور پر بجلی اور آواز میں یہ تعلق نہ پایا جاتا تو یہ ایجاد بھی ممکن نہ ہوتی ۔ ٹیلے فون لائن عام بجلی کے تاروں سے الگ ہوتی ہے ، کیوں کہ ٹیلے فون کا وولٹیج کم ہوتا ہے ۔ جب آپ ٹیلے فون میں بولتے ہیں تو آپ کی آواز برقی ارتعاشات میں تبدیل ہو جاتی ہے ۔ یہ ارتعاشات تاروں کے ذریعے سے دوسری جگہ پہنچتے ہیں اور وہاں ایک اور پُرزے کی جھلی کو حرکت میں لاکر پھر وہی آواز یا الفاظ پیدا کر دیتے ہیں اور یوں ہم دوسری طرف بولنے والے کی بات سُن لیتے ہیں ۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ ٹیلے فون کے دو حصّے ہوتے ہیں ۔ ایک ہم اپنے مُنھ کے قریب رکھتے ہیں اور دوسرا اپنے کان پر ۔ دونوں کی بناوٹ بھی مختلف ہوتی ہے ۔ ایک بولنے کے لیے ہوتا ہے اور دوسرا سُننے کے لیے ۔

س : آگ ٹھوس ہے ، مائع ہے یا گیس ؟ شاہ نواز احمد ، اوتھل ضلع لسبیلہ

ج : آگ ٹھوس یا مائع تو ہے نہیں ۔ البتہ اُسے چند گیس کا مجموعہ کہا جا سکتا ہے ۔

س : ہمیں بجلی سے جھٹکا کیوں لگتا ہے؟ جب کہ پرندے بجلی کے تاروں پر بیٹھتے ہیں لیکن ان پر برقی رو اثر نہیں کرتی ۔ محمد اشرف ناز ، اجنیانوالہ ضلع شیخوپورہ

ج : بجلی ہر وقت زمین میں اُترنے کے لیے تیار رہتی ہے ۔ لیکن وہ ایسا اسی وقت کر سکتی ہے جب اسے کوئی واسطہ یعنی کنڈکٹر مل جائے ۔ بجلی جن چیزوں میں سے گزر سکتی ہے انھیں کنڈکٹر کہتے ہیں ۔ خود ہمارا جسم بجلی کا بہت اچھا کنڈکٹر یا موصل ہے ۔ جب ہم زمین پر کھڑے ہو کر بجلی کے ننگے تار کو چُھوتے ہیں تو بجلی اس تار سے ، ہمارے جسم کے ذریعے سے زمین میں جانے کی کوشش کرتی ہے اور ہمیں درمیان میں زور کا جھٹکا محسوس ہوتا ہے ۔ پرندوں کا معاملہ مختلف ہے ۔ وہ صرف ایک تار پر بیٹھتے ہیں ۔ زمین سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا ، اس لیے وہ محفوظ رہتے ہیں ۔

س : اولے کس طرح پڑتے ہیں اور کیوں پڑتے ہیں ؟ روبینہ جوزف، کراچی
ج : یہ تو آپ جانتی ہیں کہ ہم زمین سے جیسے جیسے اُوپر جاتے ہیں درجہ حرارت کم ہوتا چلا جاتا ہے اور خُنکی بڑھتی جاتی ہے۔ بلندی پر جو نمی موجود ہوتی ہے وہ اس خُنکی کی وجہ سے منجمد ہو کر اولوں کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ جب یہ اولے اتنے بڑے ہو جاتے ہیں کہ فضا میں اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکیں تو وہ زمین کی کشش کی وجہ سے نیچے گر پڑتے ہیں اور ہم کہتے ہیں اولے گر رہے ہیں۔ بعض اوقات بہت بڑے اولے بھی گرتے ہیں۔

س : آنکھ اور کیمرا کس اصول پر کام کرتے ہیں ؟ دل عزیز احمد صدیقی، کراچی
ج : آنکھ اور کیمرا اپنی بناوٹ میں ایک دوسرے سے مشابہ ہوتے ہیں یا یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہم نے کیمرا بنانے میں آنکھ سے مدد لی ہے۔ دونوں اس اصول پر کام کرتے ہیں کہ دونوں میں ایک عدسے کے ذریعے سے روشنی داخل ہوتی ہے اور ایک پردے پر سامنے کی چیز کا عکس بناتی ہے۔ آنکھ میں یہ پردہ قدرتی ہے، جس کا تعلق دماغ سے ہوتا ہے جو ہمیں بتاتا ہے کہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں۔ کیمرے میں پردے کی جگہ فلم استعمال کی جاتی ہے جس پر ایک حساس مادّہ چڑھا ہوا ہوتا ہے۔ روشنی کی کرنیں عدسے سے آکر اس فلم پر عکس ترتیب دیتی ہیں جسے بعد میں دھو کر ہم نگیٹو تیار کر لیتے ہیں۔ پھر اس نگیٹو سے پوزیٹیو یا اصل تصویر بن جاتی ہے۔

س : کھانا پکانے کے برتن (نیچے) تلے کی طرف سے کالے کیوں ہو جاتے ہیں ؟ اس کالک کو سائنس میں کیا کہتے ہیں ؟ جاوید عبدالکریم، کراچی
ج : کھانا پکانے کے برتنوں کے نیچے جب لکڑی یا آگ جلتی ہے تو ان پر ایندھن کی سیاہی جم جاتی ہے۔ یہ سیاہی ایندھن کا حصّہ ہوتی ہے، جلانے پر باہر نکل آتی ہے اور برتنوں کی نچلی سطح پر جم جاتی ہے۔ سائنس میں اسے کاربن کہتے ہیں۔

س : گدگدیاں کرنے سے ہنسی کیوں آجاتی ہے ؟ عرشیہ ناز، کراچی
ج : ہمارے جسم کے بعض حصّے ایسے ہیں، مثلاً پیروں کے تلوے اور ہماری بغلیں، جہاں کی رگیں زیادہ حساس واقع ہوئی ہیں۔ اگر ان حصّوں کو گدگدایا جائے تو ہمیں ایک قسم کی ناگواری کا احساس ہوتا ہے اور ہم خود بخود بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ساتھ ہی ہمیں اس عمل پر ہنسی بھی آجاتی ہے۔ یہ ایک قدرتی بات ہے اور ہم بچپن سے اس کے عادی ہوتے ہیں۔ چھوٹے سے بچّے کی گردن پر ٹھوڑی

کے نیچے یا تلووں کو سہلایا جائے تو وہ بھی ہنس پڑتا ہے اور اس کا جسم حرکت میں آجاتا ہے، کیوں کہ جسم کے یہ حصّے نسبتاً زیادہ حسّاس واقع ہوئے ہیں۔

س : اُڑتا ہُوا جہاز چھوٹا کیوں نظر آتا ہے ؟ امجد حسین ، ڈاک خانہ سنگھوئی ، نورپور باغاں

ج : دُور کی ہر چیز چھوٹی نظر آتی ہے خواہ آپ اسے زمین پر دیکھیں یا آسمان پر۔ اُڑتا ہُوا ہوائی جہاز آپ سے پچیس تیس ہزار فیٹ یا اس سے بھی زیادہ اونچائی پر ہوتا ہے ، اس لیے چھوٹا نظر آتا ہے لیکن جب نیچے اُترتا ہے اور ایئرپورٹ پر ٹھیرنے کے لیے چکر کاٹتا ہے تو وہی جہاز بڑا معلوم ہونے لگتا ہے، کیوں کہ آپ سے اس کا فاصلہ کم ہو جاتا ہے۔ چاند تارے چھوٹے اسی لیے نظر آتے ہیں کہ وہ آپ سے بہت دُور ہیں ، ورنہ ان کا قطر سیکڑوں ، ہزاروں ، لاکھوں میل ہے۔ فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ ایک چمک دار نقطہ معلوم ہوتے ہیں اور بس ۔

س : طوفان جو بڑی تیزی سے آتے ہیں یا آگے بڑھتے ہیں وہ اپنا رُخ کس طرح موڑ لیتے ہیں ؟

محمد عامر عزیز ، کراچی

ج : طوفانوں کی سمت پریشر یا ہوائی دباؤ کے فرق سے طے ہوتی ہے۔ جب کسی جگہ ہوا کا دباؤ زیادہ اور کسی جگہ کم ہو جاتا ہے تو زیادہ دباؤ والے مقامات سے کم دباؤ والے مقامات کی طرف ہوائیں چلنے لگتی ہیں ۔ دباؤ کا فرق جتنا زیادہ ہوگا ان ہواؤں کی رفتار اُتنی ہی زیادہ ہوگی۔ جب طوفان کسی سمت چل رہا ہے اور آگے جا کر یکا یک دائیں یا بائیں طرف اسے اور کم دباؤ والا علاقہ مل جاتا ہے تو وہ خود بخود اپنا رُخ اس جانب موڑ لیتا ہے۔ آندھی ہو یا طوفان، خشکی کے طوفان ہوں یا سمندر کے، سب کا دار و مدار دباؤ کے فرق پر ہوتا ہے۔

س: سردیوں میں صبح کے وقت جب ہم سانس لیتے ہیں تو ہمارے مُنھ سے دھواں سا کیوں نکلتا ہے؟

طارق علی لاشاری بلوچ ، جیکب آباد

ج ، سردیوں میں باہر کا درجۂ حرارت کافی کم ہوتا ہے لیکن ہمارے جسم کے اندر حرارت موجود ہوتی ہے اور ہمارا جسمانی درجۂ حرارت باہر کے مقابلے میں زیادہ ہوتا ہے۔ جب ہم سانس باہر چھوڑتے ہیں یا مُنھ سے بھاپ نکالتے ہیں تو درجہ حرارت کے فرق کی وجہ سے ہمارے اِن ذرّات کی نمی تقریباً جم جاتی ہے۔ ان کے بھاری ہو جانے کی وجہ سے وہ نظر آنے لگتے ہیں اور بھاپ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ جسے آپ نے دھواں لکھا ہے۔ وہ دھواں نہیں ہوتا بھاپ ہوتی ہے اور اس کی وجہ باہر کی خنکی ہے۔

اخبارِ نونہال

بادشاہوں کا قبرستان

جزیرہ آئیونا میں سینٹ اورن کا گرجا گھر بنا ہوا ہے۔ اس گرجا گھر میں اسکاٹ لینڈ کے ۴۸ بادشاہوں، نار وے کے ۸ بادشاہوں، آئرلینڈ کے چار اور فرانس کے چار بادشاہوں کی قبریں موجود ہیں۔ دنیا میں اور کوئی قبرستان یا گرجا گھر ایسا نہیں جہاں اتنی تعداد میں بادشاہ دفن ہوں۔

مرسلہ: ساجدہ شمع نور، کراچی

عجیب اتفاق

ترکی کے ایک گاؤں میں مصطفیٰ شبیل نامی ۴۲ آدمی رہتے ہیں۔ اس گاؤں کے چودھری نے جس کا نام بھی مصطفیٰ شبیل ہے بتایا ہے کہ جب کبھی اس نام کا خط گاؤں میں آتا ہے تو اس خط کو ایک خاص میدان میں زور سے پڑھا جاتا ہے تاکہ اصل آدمی کو خط کا پتا لگ جائے اور جب ٹیلے فون آتا ہے تو ۴۲ ہم نام آدمیوں کو تلاش کر کے لائن لگانی پڑتی ہے۔

گدھے کے سر پر سینگ

لندن کے چڑیا گھر میں گدھے کی شکل کا ایسا جانور موجود ہے جس کے سر پر سینگ ہیں۔ اس جانور کا نام "میکالا گوما" ہے۔ اس کا پورا جسم گدھے جیسا ہے۔ اگر اس کے سر پر سینگ نہ ہوتے تو وہ گدھا ہی سمجھا جاتا۔

مرسلہ: عامر محی الدین، کراچی

رنگین ٹوپیاں

ہالینڈ کی گرونگن یونی ورسٹی کے طلبہ مختلف رنگوں کی ٹوپیاں پہنتے ہیں۔ ہر رنگ کسی مضمون کے لیے مخصوص ہوتا ہے۔ اس طرح ٹوپی کے رنگ سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ کس مضمون کے طلبہ ہیں۔

مرسلہ: محمد سعید گلاب، کورنگی

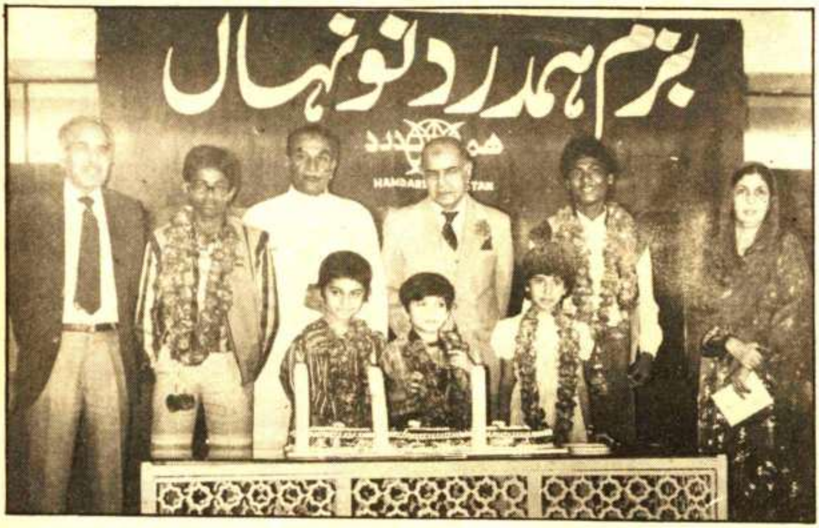

تین بجنے میں ابھی دس منٹ باقی تھے۔ جلسہ گاہ کی خاصی کرسیاں خالی تھیں۔ ہیں ؟ کیا آج نونہال بھی دیر سے آئیں گے؟ نونہال تو وقت کے بڑے پابند ہوتے ہیں۔ بزمِ ہمدرد نونہال تو اتنے صحیح وقت پر شروع ہوتی ہے کہ گھڑی ملا لیجیے۔ ہاں صحیح ہے۔ تین بجتے بجتے ہال بھر چکا تھا۔ ٹھیک تین بجے جناب حکیم محمد سعید بھی ہال میں داخل ہوئے۔ نونہالوں نے اور ان کے ساتھ آنے والے بڑوں نے حکیم صاحب کا استقبال کھڑے ہو کر کیا۔

آج کے مہمانِ خصوصی تھے جناب احمد ای۔ ایچ جعفر، جن کو قائداعظم کے ساتھ کام کرنے کا شرف حاصل ہے اور جنھوں نے پاکستان بنانے کی جدوجہد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔ کلامِ پاک کی تلاوت صائمہ یوسف نے کی اور نعت پڑھنے کی عزت عبدالخالد نے حاصل کی، پھر ہیپی ہوم انگلش اسکول کی بچیوں نے ملّی نغمہ سنا کر دلوں کو گرمایا۔ اب باری تھی نونہال دوست اور بھی خواہِ ملّت جناب حکیم محمد سعید کی۔ انھوں نے اچھی اچھی باتیں کیں، مگر انداز ہلکا پھلکا اور دل چسپ تھا۔ حکیم صاحب نے کہا کہ وقت کی پابندی میں بڑے فیل ہوئے اور بچے پاس ہوئے۔ واہ وا۔ اس وقت میں بھی بچوں کی محفل میں ہوں اور گویا بچہ ہوں۔ میں اس لیے تقریر پہلے کر رہا ہوں کہ بچوں کی جوشیلی تقریروں کے بعد میری تقریر پھیکی نہ معلوم ہو۔ میں

نونہال صائمہ یوسف تلاوت کلام پاک کرتے ہوئے۔ نونہال عبدالخالد نے نعت پڑھی۔

ہیپی ہوم انگلش اسکول کی بچّیاں ملّی نغمہ پیش کر رہی ہیں۔

جناب احمد ای۔ایچ۔ جعفر کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ وہ اس بزم میں تشریف لائے۔ میں نے پابندیِ وقت کی مہم شروع کی تھی، وہ تو اس بزم میں کام یاب ہے۔ اب میں چاہتا ہُوں کہ سچ بولنے کی مہم شروع کرُوں۔ سچ بولنے میں بڑا اثر ہوتا ہے۔ سب سے بڑا وصف اور حُسن سچ میں ہے۔ قائداعظم سچ بولتے تھے۔ یہ اُن کی بڑائی تھی۔ اُن جیسا سچّا آدمی ہی پاکستان بنا سکتا تھا۔ میں بھی اعلان کرتا ہوں کہ آج سے سچائی کا دامن اور مضبوطی سے تھاموں گا۔

حکیم محمد سعید صاحب کی تقریر سے پہلے نونہال فاطمۃُ الزَہرا نے تین شمعیں روشن کیں۔

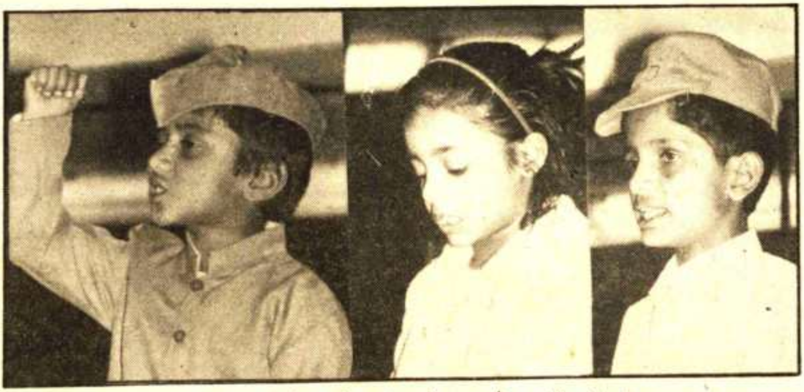

نونہال مقررین شعیب نور، طیّبہ منیر اور نعمان بن ناصر

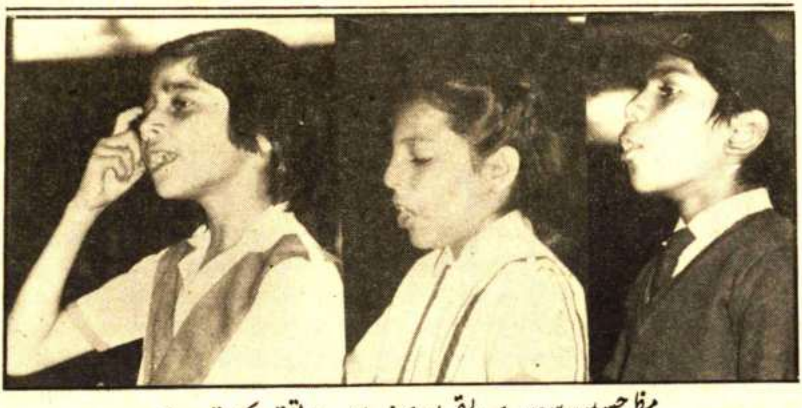

مظہر حسین، سعدیہ صدیقی اور صفیہ احمد مرزا تقریر کرتے ہوئے۔

ان شمعوں کے آگے تین گول کیک تھے، جن پر اتحاد، تنظیم، یقین لکھا ہُوا تھا، جو بعد میں سات نونہال نے کاٹے۔ ان نونہالوں کی آج سالگرہ تھی۔

اب نونہال مقرروں کی باری تھی۔ چھے نونہال (۱) نعمان بن ناصر (۲) طیّبہ منیر (۳) شعیب نُور (۴) سعدیہ صدیقی (۵) مظہر حسین اور (۶) صفیہ احمد مرزا، باری باری اسٹیج پر آئے اور اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھائے۔ ایک سے بڑھ کر ایک تھا۔ اگر ان نونہالوں کو موقع ملا تو یہ بڑے ہو کر اپنی تقریروں سے انقلاب پیدا کر دیں گے۔ سب سے زیادہ داد نعمان بن ناصر

کو ملی، جو بہت کم عمر ہونے کے باوجود بڑے جوش، بڑی روانی اور اعتماد کے ساتھ بول رہا تھا۔

تقریر ختم ہوئی تو حکیم صاحب نے نعمان کو گود میں اٹھا کر اپنی خوشی کا اظہار کیا۔

خاص مہمان جناب ای۔ایچ۔جعفر نے اپنی تقریر میں بڑے کام کی باتیں کیں۔ بزم ہمدرد نونہال دیکھ کر وہ بہت خوش تھے۔ یہ بزم ان کی توقع سے زیادہ عمدہ تھی۔ نظم وضبط اور سلیقے میں اور بچّوں کے ادب تہذیب میں اس کا جواب نہیں تھا۔

نونہال فاطمۃ الزہرا نے تین شمعیں روشن کیں۔

جعفر صاحب نے فرمایا کہ یہ بچّے کل لیڈر ہوں گے۔ اعلا درجے کے منتظم ہوں گے، تاجر اور کھلاڑی ہوں گے۔ انھوں نے فرمایا کہ ہمارے زمانے میں یہ آسانیاں نہیں تھیں۔ قائداعظم نے فرمایا تھا کہ نونہال خوب تعلیم حاصل کریں، خوب کھیلوں میں حصہ لیں۔ قائداعظم کو ڈاک کے ٹکٹوں سے دل چسپی تھی۔ آپ بھی دل چسپی لیں۔ یہ شوق بھی ہے اور آمدنی کی چیز بھی۔ آپ سکے اور نوٹ بھی جمع کریں تو یہ بھی اچھا اور مفید مشغلہ ہے۔ حکیم محمد سعید صاحب اچھے اچھے کام کرتے ہیں۔ کھیلتے بھی ہیں۔ اپنی صحت کا خیال رکھتے ہیں۔ کھانے میں بھی احتیاط کرتے ہیں، یعنی کم کھاتے ہیں۔ جناب جعفر نے کہا کہ چھٹی کم کرو۔ جو لوگ زیادہ چھٹی کرتے ہیں وہ کام نہیں کر سکتے۔ نونہالوں کو چاہیے کہ وہ کہہ دیں کہ ہمیں زیادہ چھٹی نہیں چاہیے۔ کنگ جارج کا انتقال ہوا تھا تو کوئی چھٹی نہیں کی گئی تھی۔ بچّوں کو سڑکوں پر نہیں کھیلنا چاہیے۔ گھروں کی اور گلیوں کی صفائی کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔ جناب احمد ای۔ایچ۔جعفر کی تقریر کے بعد جناب بریگیڈیر ظفر اقبال چودھری نے مختصر تقریر کی اور نونہالوں کو کام کی باتیں بتائیں اور قائداعظم کے قصّے سُنائے۔

اس کے بعد نونہالان خوش آواز نے نظم "قائداعظم سے وعدہ" بڑے پیارے انداز میں

مہمان خصوصی جناب احمد ای۔ ایچ۔ جعفر اور جناب حکیم محمد سعید بچوں سے باتیں کرتے ہوئے۔

بزم ہمدرد نونہال کے شرکا، نونہال اور ان کے بڑے۔

پیش کی۔

اس کے بعد ممتاز ادیب اور ہمدرد نونہال کے مدیرِ اعلا جناب مسعود احمد برکاتی اسٹیج پر آئے۔ انھوں نے مہمانِ خاص حکیم صاحب اور نونہالوں کا شکریہ ادا کیا۔ وہ نونہال مقرروں کی تقریروں کے عمدہ انداز سے بہت متاثر تھے۔ انھوں نے کہا کہ جس طرح نونہال وقت کی پابندی کرتے ہیں اسی طرح اگر شادیوں میں بھی وقت کا خیال رکھا جائے تو بہت فائدہ ہو۔

جناب بریگیڈیر ظفر اقبال چودھری اور جناب مسعود احمد برکاتی خطاب کرتے ہوئے

شادیوں میں بہت وقت ضائع ہوتا ہے۔ بڑوں کو بچوں سے سیکھنا چاہیے۔ برکاتی صاحب نے مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناح کی پابندیٔ وقت کا ایک واقعہ سُنایا کہ ایک میٹنگ میں ان کو شریک ہونا تھا اور اس وقت کے وزیرِ اعظم کو بھی آنا تھا۔ مادرِ ملت اپنی عادت کے مطابق وقت پر پہنچیں، مگر وزیرِ اعظم نہیں آئے۔ مادرِ ملت نے کہا کہ میٹنگ شروع کر دینی چاہیے۔ کسی نے کہا کہ محمد علی صاحب (وزیرِ اعظم) ابھی نہیں آئے ہیں۔ مادرِ ملت ناراض ہوئیں اور کہنے لگیں، "محمد علی کون ہے؟" ان کا مطلب یہ تھا کہ جو آدمی وقت کی پابندی نہیں کرتا اُس کا احترام کیوں کیا جائے۔ برکاتی صاحب نے نعمان بن ناصر کی تعریف کی اور حاضرین کو بتایا کہ نعمان ایک

ایک سو گیارہ بچے موم بتیاں روشن کر رہے ہیں۔

طبیب حکیم غلام احمد صاحب کا پوتا ہے۔ انھوں نے نعمان کو بزم کا "مقررِ اعظم" قرار دیا۔
اب ایک سو گیارہ نونہالوں نے دیا سلائی کی ڈِبیاں سنبھالیں اور اسٹیج کے سامنے خوب صورتی سے سجی ہوئی موم بتیاں روشن کر کے قائد اعظم کی ایک سو گیارھویں سال گرہ منائی۔
بزمِ ہمدرد نونہال چائے ناشتے پر ختم ہوئی۔

قوم کی طاقت

دولت نہیں، بلکہ افراد کسی قوم کو عظیم اور طاقت وَر بنا سکتے ہیں۔ جو لوگ صداقت اور عزت کے لیے ثابت قدمی سے مصائب جھیلتے ہیں وہی قوم کو عظیم اور طاقت وَر بنا سکتے ہیں۔ وہ بہادر اس وقت بھی محنت کرتے ہیں جب کہ دوسرے سوئے رہتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ بلند حوصلے کے ساتھ اس وقت آگے بڑھتے ہیں، جب دوسرے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں یہی وہ بہادر اور عظیم لوگ ہیں جو قوم کے ستونوں کو مضبوط بنیادوں پر کھڑا کر کے آسمان تک بلند کرتے ہیں۔

مرسلہ: وقار احمد تربیلوی، ہری پور ہزارہ (آر۔ ڈبلیو۔ ایمرسن)

سلسلہ ۲۶۲

معلومات عامّہ

اس بار سوالات کی تعداد دس ہے۔ تصویریں صرف دس صحیح جوابات بھیجنے والوں کی شائع کی جائیں گی۔ نو صحیح جوابات بھیجنے والوں کے صرف نام شائع کیے جائیں گے۔ جوابات ۲۰ فروری ۱۹۸۸ء تک بھیج دیجیے۔ جوابات کے نیچے اپنا نام، پتا اور تصویروں کے پیچھے اپنا نام اور جگہ کا نام ضرور لکھیے۔

۱۔ حدیث کی مستند کتابیں کتنی ہیں اور ان کو کس نام سے پکارا جاتا ہے؟

۲۔ جس طرح کوہِ نور ہیرا مشہور ہے، اسی طرح کوہِ طور ہیرا بھی مشہور ہے۔ بتائیے ان دونوں کا آپس میں کیا تعلق تھا۔

۳۔ ۹ نومبر ۱۹۸۲ء کو جرمنی کے ایک شہر میں علاّمہ اقبال کی ۱۰۵ ویں سال گرہ منائی گئی۔ آپ شہر کا نام بتا دیجیے۔

۴۔ کس ملک میں وزیر کے لیے سیکریٹری کا لفظ استعمال ہوتا ہے؟

۵۔ پشاور کو چترال سے ملانے والے درّے کا کیا نام ہے؟

۶۔ شمالی افریقہ کے قدیم باشندوں کو بربر کہا جاتا ہے، بتائیے مصر کے قدیم باشندوں کو کیا کہا جاتا ہے۔

۷۔ انگلینڈ کا مشہور و معروف کرکٹ گراؤنڈ لارڈز کا میدان ہے جو ایم۔سی۔سی کا ہیڈ کوارٹر بھی ہے۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ اس میدان کا نام کس شخص کے نام پر رکھا گیا؟

۸۔ جمہوریۂ سنگاپور کے دارالحکومت کا نام تو آپ کو معلوم ہوگا۔

۹۔ ایمسٹرڈم ایک مشہور بندرگاہ کا نام ہے۔ بتائیے یہ کس ملک میں واقع ہے۔

۱۰۔ فاک لینڈ بحرِ اوقیانوس میں واقع ہے یا بحرالکاہل میں؟

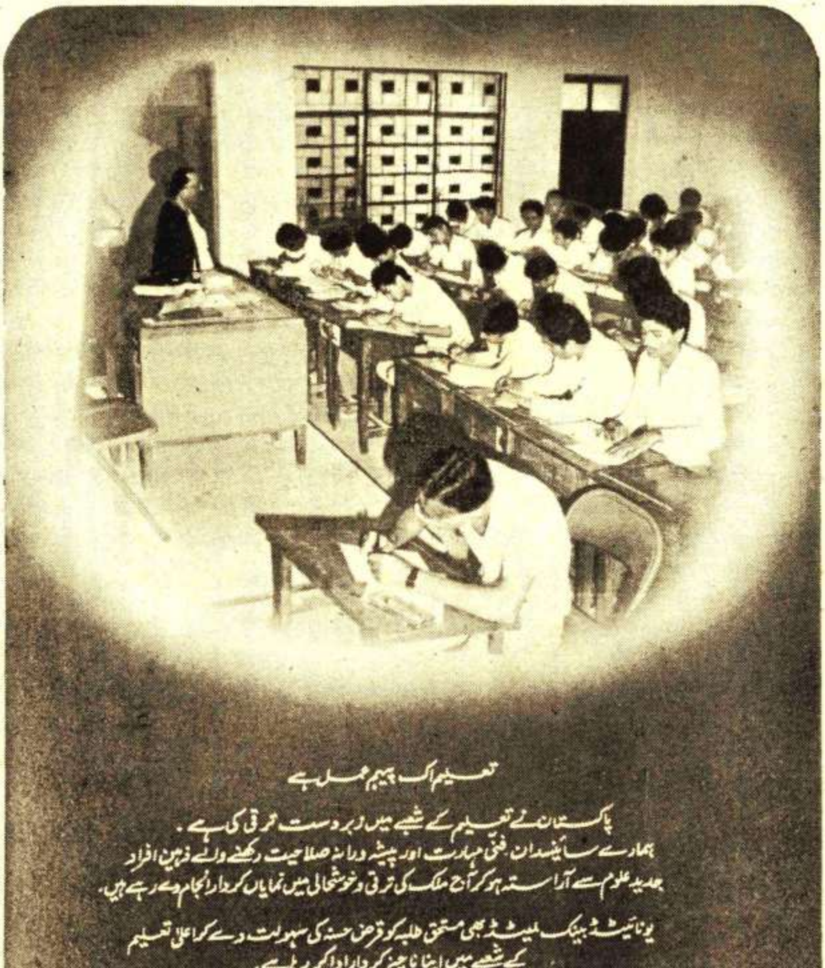

تعلیم اک پیہم عمل ہے
پاکستان نے تعلیم کے شعبے میں زبردست ترقی کی ہے۔
ہمارے سائنسدان، فنی مہارت اور پیشہ ورانہ صلاحیت رکھنے والے ذہین افراد
جدید علوم سے آراستہ ہو کر آج ملک کی ترقی و خوشحالی میں نمایاں کردار انجام دے رہے ہیں۔
یونائیٹڈ بینک لمیٹڈ بھی مستحق طلبہ کو قرض حسنہ کی سہولت دے کر اعلیٰ تعلیم
کے شعبے میں اپنا ناچیز کردار ادا کر رہا ہے۔
یونائیٹڈ بینک لمیٹڈ
آپکی خدمت کے لئے کوشاں

آج کا نونہال - کل کا دانشور

اسے تیار کیجیے کہ فکر و شعور کا اُجالا کر سکے

قوموں کو جہالت کے اندھیروں سے نکالنے کے لیے اس کے دانش ور اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ آپ کا یہ ننھا منا بچہ وطنِ عزیز کے روشن مستقبل کا امین ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے بے شمار صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ اس میں ایک بڑی شخصیت پوشیدہ ہے... ہوسکتا ہے کل یہ ایک دانشور کی حیثیت سے ملک و ملّت کے لیے مشعل راہ بنے۔

اس کی صلاحیتوں کو ابھارنے اور شخصیت کو نکھارنے کی ذمہ داری آپ پر ہے۔ اس ذمّہ داری کو خوش اسلوبی سے پورا کیجیے۔ اپنے بچے کی پرورش نہایت محنت، محبت اور توجہ سے کیجیے تاکہ کل یہ ایک مضبوط و توانا جسم، بہتر تعلیم اور صحت مند ذہن کے ساتھ وطن عزیز میں فکر و شعور کا اجالا کر سکے۔

نونہال ہربل گرائپ واٹر بچوں کی تکالیف مثلاً بد ہضمی، قبض، اپھارہ، اسہال، قے، بے خوابی، پیاس کی شدّت وغیرہ کے لیے مفید و مؤثر دوا ہے۔ دانت آنے کے زمانے میں اس کا استعمال ضروری ہے۔

نونہال

ہربل گرائپ واٹر

بچوں کو مطمئن، مسرور اور صحت مند رکھتا ہے۔

ہمدرد
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

آدابِ اخلاق
نصیحت تو دانش مند لوگ ہی قبول کیا کرتے ہیں

Adarts 2/84

سورج، چاند ستارے اور سیّارے

عفت گل اعزاز

ہماری دُنیا میں جو روشنی ہے وہ سُورج، چاند اور تاروں کی وجہ سے ہے۔ دن کو سُورج اور رات کو چاند اور تارے روشنی پھیلاتے ہیں۔ رات کو آسمان پر ہزاروں لاکھوں ستاروں کا جال سا بچھا نظر آتا ہے۔ یہ سب روشن چراغوں کی طرح ہیں جو آسمان پر جگمگا رہے ہیں۔ انھوں نے اس دنیا کو خوب صورت بنا دیا ہے۔

ہم سب جانتے ہیں کہ سُورج ہمارے لیے اللّٰہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ سورج سے ہمیں روشنی اور گرمی حاصل ہوتی ہے۔ سُورج ایک بہت زیادہ گرم جسم ہے۔ اس کی گرمائی (حرارت) کا اندازہ ہم اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ جب ہم پانی کو سو دَرجے سینٹی گریڈ تک گرم کرتے ہیں تو وہ کھولنے لگتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ سورج کتنا گرم ہے؟ سورج کی سطح کا درجۂ حرارت تقریباً چھے ہزار دَرجے سینٹی گریڈ ہے اور اس کے بیچ میں جو درجۂ حرارت ہے وہ ایک کروڑ پچاس لاکھ درجے سینٹی گریڈ تک ہے۔ سورج کو روشنی اور حرارت دیتے ہوئے لاکھوں سال گزر چکے ہیں اور آئندہ بھی لاکھوں سالوں تک سورج اسی طرح چمکتا دَمکتا رہے گا۔ اسی وجہ سے زمین پر ہر جاندار زندہ ہے۔ اگر سورج نہ ہوتا تو نہ پودے اُگ سکتے اور نہ خوراک پیدا کر سکتے۔ کوئی بھی جاندار زندہ نہ رہ سکتا۔ سُورج کی گرمی جب سمندروں اور جھیلوں کے پانی پر پڑتی ہے تو پانی بُخارات بن کر اُوپر اُڑتا ہے۔ اُوپر جاکر بادلوں کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ بادل زمین پر بارش برساتے ہیں، جس سے دریا اور ندی نالے بہتے ہیں۔ بارش کے پانی سے اور دریاؤں اور ندی نالوں کے پانی سے پودے، جنگلات اور فصلیں اُگتی ہیں۔ ان سے تمام جانور اور انسان اپنی غذا حاصل کرتے ہیں۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ سورج کے بغیر زندگی ناممکن ہے۔

ہمارا سورج کائنات میں اکیلا نہیں بلکہ اس کا ایک مکمل خاندان ہے، جس میں نو سیّارے شامل ہیں۔ سیّارے ایسے اجسام ہیں جو سُورج کے چاروں طرف گھومتے ہیں۔ سب سے چھوٹا

اور سورج کے سب سے زیادہ قریب جو سیّارہ ہے اس کا نام عُطارِد ہے۔ دوسرے نمبر پر جو سیّارہ ہے اس کا نام زُہرہ ہے۔ شام کو سورج کے غروب ہونے کے بعد مغرب کی طرف ایک چمک دار سِتارہ نظر آتا ہے، یہی زُہرہ سیّارہ ہے، اسی لیے اس کو "شام کا ستارہ" بھی کہا جاتا ہے۔ عُطارِد اور زُہرہ سورج کے قریب واقع ہیں، اس لیے یہ بہت گرم سیّارے ہیں۔ تیسرے نمبر پر ہماری زمین ہے۔ زمین وہ واحد سیّارہ ہے جہاں جان دار بستے ہیں، کیوں کہ جان داروں کے سانس لینے کے لیے اوکسی جن گیس، اُن کی غذا اور مناسب درجۂ حرارت ہر چیز یہاں پیدا کی گئی ہے۔ اس کے بعد دوسرے سیّارے بھی ہیں جن کے نام مرّیخ، مُشتری، زحل، یُورینس، نیپچون اور پلوٹو ہیں۔ جسامت (سائز) کے اعتبار سے مُشتری سب سے بڑا سیّارہ ہے۔ پلوٹو سب سے آخری اور چھوٹا سیّارہ ہے۔ پلوٹو سورج سے سب سے زیادہ فاصلے پر ہے اور یہ سب سے زیادہ ٹھنڈا یخ سیارہ ہے۔

جو سیّارہ سورج کے قریب ہے وہ تھوڑی مدّت میں سورج کے گرد اپنا چکّر پورا کرلیتا ہے۔ مثلاً عُطارِد صرف ۸۸ دنوں میں اپنا چکّر پُورا کرلیتا ہے۔ پلوٹو جو سب سے زیادہ دُور ہے وہ سُورج کے چاروں طرف گھوم کر ایک چکّر پورا کرنے میں ڈھائی سو سال لگا دیتا ہے۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ ہماری زمین کتنے دنوں میں اپنا چکّر پُورا کرتی ہے؟ ۳۶۵ دنوں میں۔ اسی لیے زمین کا ایک سال ۳۶۵ دنوں کا ہوتا ہے۔

آپ نے سورج گرہن کے بارے میں ضرور سُنا ہوگا۔ سورج گرہن اس وقت ہوتا ہے جب چاند زمین کے گرد گھومتا ہُوا زمین اور سورج کے درمیان آجاتا ہے۔ جس جگہ چاند کا سایہ زمین پر پڑتا ہے وہاں سے سُورج گرہن نظر آتا ہے۔ سورج گرہن کو دیکھنے سے آنکھ پر بہت بُرا اثر پڑتا ہے۔ پانی کے اندر یا دھوپ کے چشمے سے گرہن کبھی نہ دیکھیے بلکہ دیئے کی لو پر سیاہ کیے ہوئے شیشے سے دیکھیے۔

رات کو آسمان پر چاند کا راج ہوتا ہے۔ چاند ہماری زمین کے گرد گھوم رہا ہے اس لیے چاند ہماری زمین کا ایک سیّارہ ہے۔ یہ زمین سے بہت چھوٹا ہے۔ زمین سے چاند کا وہ حصّہ نظر آتا ہے جو زمین کی طرف ہے۔ ایک دل چسپ بات یہ ہے کہ زمین کی حرکت بھی دو طرح کی ہے یعنی ایک طرح تو وہ اپنے محور کے گرد لٹّو کی مانند گھومتی ہے، چاند گھومتی ہوئی زمین کے

گرد چکر لگاتے ہوئے گھوم رہا ہے اور اسی طرح گھومتے گھومتے زمین سورج کے گرد چکر لگا رہی ہے۔ اس قسم کی حرکت ہی کی وجہ سے دن رات بنتے ہیں اور موسم بھی بدلتے ہیں۔ ہم سب جانتے ہیں کہ گرمی، سردی، بہار، خزاں، یہ چار موسم ہوتے ہیں اور یہ موسم اپنے اپنے خاص رنگ رکھتے ہیں۔ ان موسموں کی وجہ سے مختلف فصلیں ہوتی ہیں۔ موسم بدلنے سے طبیعت پر خوش گوار اثر پڑتا ہے۔

چاند ہمیں چمکتا ہُوا معلوم ہوتا ہے مگر چاند کی اپنی کوئی روشنی نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ سُورج کی روشنی ہے جو چاند سے ٹکراتی ہے تو چاند ہمیں روشن معلوم ہوتا ہے۔ یہ بالکل اسی طرح ہے کہ اگر ہم ایک آئینے کو سُورج کے سامنے رکھیں تو آئینے کی سطح جگمگا اُٹھتی ہے اور آئینے پر نظر جمانا مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح چاند چمکتا ہُوا معلوم ہوتا ہے۔ چاند تقریباً اُنتیس (۲۹) دِنوں میں زمین کے گرد اپنا چکّر مکمل کر لیتا ہے۔ چاند کی گردِش کا تعلق سمندر کی لہروں سے بڑا گہرا ہے۔ چاند جب پورا روشن ہوتا ہے تو سمندر کا پانی زور و شور سے آگے ساحل کی طرف بڑھ آتا ہے۔ جب چاند کی آخری تاریخیں آتی ہیں اور اس کا روشن حصہ بہت کم ہو جاتا ہے تو سمندر کا پانی پیچھے کی طرف ہٹ جاتا ہے۔ جب چاند کو زمین کے سائے میں سے گزرنا پڑے تو چاند کو بھی گرہن لگتا ہے۔ اس وقت چاند کا کچھ حصّہ یا پورا چاند سیاہ نظر آتا ہے۔

رات کے وقت آسمان پر ہزاروں ستارے جگمگاتے نظر آتے ہیں۔ یہ ستارے سیاہ آسمان پر چمکتے ہوئے بہت خوب صورت نظر آتے ہیں۔ اگر ہم کچھ دیر تک ان ستاروں کو غور سے دیکھتے رہیں تو معلوم ہوگا کہ بعض ستارے بہت زیادہ چمک دار ہیں بعض ستارے کم چمک دار ہیں۔ کچھ ستارے ننّھے منّے سے معلوم ہوتے ہیں جب کہ کچھ ستارے خوب بڑے نظر آتے۔ یہ ستارے اپنی جگہ پر ٹھیرے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے کے لحاظ سے آسمان پر اپنی جگہ نہیں بدلتے۔ ستارے روشن ہوتے ہیں یعنی ان سے روشنی نکلتی ہے۔ سائنس دانوں نے معلوم کیا ہے کہ ستاروں میں گیسیں موجود ہیں جو بہت زیادہ گرم ہیں، اتنی زیادہ گرم کہ وہ ہزاروں لاکھوں میل کے فاصلوں سے بھی روشن اور چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ستارے کروڑوں کی تعداد میں ہیں۔ اور یہ ہماری زمین سے بہت زیادہ دُور واقع ہیں۔ چُوں کہ ہماری زمین اور ستاروں کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ ہے اسی لیے یہ ستارے ہمیں بہت چھوٹے نظر آتے ہیں۔ مگر آپ کو یہ جان کر حیرت

ہوگی کہ ستارے اتنے زیادہ بڑے ہیں کہ ہماری زمین تو کیا سورج تک سے بھی بہت زیادہ بڑے ہیں۔ تمام ستارے ہماری زمین سے اتنے زیادہ دُور ہیں کہ ہم عام طریقے سے، زمین اور ستاروں کے درمیان فاصلے کو نہیں ناپ سکتے۔ اس فاصلے کو ناپنے کے لیے جو اکائی استعمال ہوتی ہے اسے نُوری سال کہتے ہیں۔ نوری سال دراصل وہ فاصلہ ہے جو روشنی ایک سال میں طے کرتی ہے۔ روشنی کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ ہوتی ہے۔ آسمان پر شمال کی طرف ایک روشن ستارہ واقع ہے جسے قطبی ستارہ کہتے ہیں۔ اس ستارے اور زمین کے درمیان جو فاصلہ ہے وہ تقریباً پچاس نوری سال ہے یعنی اُس ستارے سے نکلنے والی روشنی جب زمین تک پہنچتی ہے تو یہ فاصلہ پچاس سالوں میں طے کرتی ہے۔ اس مثال سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ستارے ہماری زمین سے کس قدر دور ہیں!

ستاروں سے الگ الگ رنگوں کی روشنی نکلتی ہے۔ کچھ ستاروں سے نیلگوں یا کاسنی روشنی نکلتی ہے، کچھ ستاروں سے سفید روشنی اور کچھ ستاروں سے پیلی، نارنجی یا سُرخ رنگ کی روشنی نکلتی ہے۔

سائنس داں سیاروں اور ستاروں کو غور سے دیکھنے کے لیے جو آلہ استعمال کرتے ہیں اُسے دُوربین کہتے ہیں۔ آسمان پر دُوربین کے بغیر بھی بہت سے ستارے صاف دکھائی دیتے ہیں۔ بعض جگہ پر ستاروں کے خاص جُھرمٹ یا مجموعے نظر آتے ہیں۔ مثلاً 'دُبِ اکبر' ایسا مجموعہ ہے جس میں ۷ ستارے ایک خاص ترتیب سے نظر آتے ہیں۔ اسی طرح 'دُبِ اصغر' میں بھی سات ستارے شامل ہیں جن میں سے ایک مشہور قطبی ستارہ ہے۔ دُبِ اکبر کے شروع کے دو ستاروں کو مِلا کر سیدھا آگے کی طرف دیکھتے جائیں تو قطبی ستارہ نظر آجاتا ہے۔

گرمیوں کے موسم میں آسمان پر ایک دودھیا راستہ سا نظر آتا ہے جس میں ہزاروں لاکھوں ستارے شامل ہیں، کیوں کہ یہ ستارے ہم سے بہت دُور ہیں، اس لیے ان کی روشنی مِل کر ہم تک پہنچتی ہے جس سے آسمان پر روشن غُبار یا دُھواں سا نظر آتا ہے۔ اسے ہم کہکشاں کہتے ہیں۔ کہکشاں ستاروں کا ایک بہت بڑا نظام ہے جو ایک چکر کھاتے ہوئے روشن بھنور کی طرح ہے اور ہمارے سُورج کا خاندان اس بھنور کے ایک کنارے پر موجود ہے۔ یہ تمام سُورج، چاند اور ستارے ایک طاقت 'کشش' کی وجہ سے اپنے اپنے خاص راستوں پر گردش کر رہے ہیں۔ اگر خدانخواستہ یہ کشش کی قوّت کم یا زیادہ ہوجائے تو ان جسموں کا توازن بگڑ جائے

تو یہ سارا نظام درہم برہم ہو جائے۔

اندازہ لگائیے کہ اس وسیع کائنات میں لاکھوں کروڑوں ستارے ہیں، ہمارے سورج اور چاند ہیں۔ ہماری دنیا میں کبھی صُبح کا اُجالا پھیلتا ہے کبھی شب کی سیاہی چھا جاتی ہے۔ کہیں پُھول کِھلتے ہیں اور سبزہ لہلہاتا ہے۔ کائنات کی ہر خوب صورتی سے اس کے خالق کی قدرت ظاہر ہوتی ہے۔ واقعی کتنی زبردست حکمت اور قُدرت ہے اس ربِ عظیم کی جو تمام جہانوں کا پَروَردِگار ہے!

سنجیدہ مذاق

ایک مرتبہ سر راس مسعود کے سامنے ایک امریکی خود پسندی کے انداز میں اپنے ملک کی بڑائی اور داستان بگھار رہا تھا۔ اس نے کہا کہ دنیا بھر میں سب سے لمبی سُرنگ امریکا میں ہے جو پچیس میل سے زیادہ لمبی ہے۔ راس مسعود صاحب کو شرارت سُوجھی۔ کہنے لگے، " بس ؟ اس سے کہیں زیادہ لمبی سُرنگ تو ہندستان میں ہے جو مغل بادشاہوں نے دہلی سے آگرے تک بنوائی تھی تاکہ جنگ کے موقع پر وہ خفیہ سَفَر کرسکیں۔ یہ سرنگ کوئی سَوا سو میل لمبی ہے"۔ امریکی نے ایک بار پھر امریکا کی عزّت برقرار رکھنے کی کوشش کی اور کہنے لگا کہ ہمارے ہاں سُرنگ میں بجلی کی روشنی بھی ہوتی ہے۔ ان لوگوں نے روشنی کا بھلا کیا انتظام کیا ہوگا ؟ سر راس مسعود کے دماغ میں بجلی کی سی تیزی کے ساتھ اس کا جواب آیا۔ بولے، "اسی میں تو انھوں نے اپنا کمال دکھایا تھا۔ اس زمانے میں بجلی تو ہوتی نہ تھی، اس لیے جب سرنگ تیّار ہوگئی تو اُنھوں نے ساری مغل فوج کو برسات کے موسم میں جنگل بھجوا دیا تاکہ وہ فوجی جنگل سے کروڑوں جُگنوؤں کو پکڑ کر سُرنگ میں چھوڑ دیں۔ چُناں چہ جُگنوؤں کی چمک دَمک سے سرنگ روشن ہوگئی اور اب تک ان جگنُوؤں کی اولاد وہاں بستی ہے اور وہاں کے اندھیرے میں اُجالا کرتی رہتی ہے"۔ یہ سُن کر بے چارہ امریکی اپنا سا مُنھ لے کر رہ گیا اور اسے شُبہ تک نہیں ہُوا کہ راس مسعود صاحب اس قدر سنجیدہ چہرہ بنا کر مذاق کر رہے ہیں۔

مرسلہ: محمد اکرم سیالوی، وکیل والا۔

علاّمہ دانش کے سفرنامے

ایوّبیوں کا راز

معراج

اس دفعہ ہمیں حکومت ایران کی طرف سے دعوت نامہ موصول ہوا تھا۔ علاّمہ نے تفصیل سے بتایا کہ تبریز کے پہاڑی علاقے میں اونچے پہاڑوں سے گھری ہوئی ایک وادی ہے۔ یہاں کچھ لوگ آباد ہیں جو اپنے آپ کو صلاح الدین ایوّبی کے لشکریوں کی اولاد بتاتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ایوبی لشکر کا ایک دستہ بھٹک کر ادھر آنکلا۔ کچھ لوگوں نے یہیں شادیاں کرلیں اور رہنے سہنے لگے۔ یہ لوگ انھی لشکریوں کی اولاد ہیں۔ اس علاقے میں کہیں تو اونچی اونچی پہاڑیاں ہیں جن پر سال بھر برف جمی رہتی ہے اور کہیں ہموار علاقہ ہے۔ یہاں موسم اچھا رہتا ہے اور سیب، انگور، ناشپاتی اور دوسرے بہت سے پھلوں کی کاشت ہوتی ہے۔ اس علاقے سے کئی ملکوں کی سرحدیں ملتی ہیں۔ اسی لیے یہاں ترک، عرب، اُزبک، کُرد، ایرانی، تاتاری اور کئی نسلوں کے لوگ آباد ہیں۔ ہر قبیلہ اپنے سردار کا حکم مانتا ہے۔ دنیا ترقی کر کے کہیں کی کہیں پہنچ گئی مگر یہ لوگ ابھی تک ویسے ہی جاہل اور اُجڈ ہیں۔ اگر کوئی شخص ان کے معاملات میں دخل دینے کی کوشش کرے تو یہ لوگ بہت بُرا مانتے ہیں اور اس شخص کو مار

ڈالتے ہیں۔ اسی لیے سیاح اس علاقے سے بچ کر نکلتے ہیں۔

اس عجیب و غریب علاقے سے متعلق سب سے زیادہ دل چسپ خبر یہ ہے کہ یہاں ایّوبی لشکریوں کی اولاد آباد ہے۔ ان کے متعلق ہمیں زیادہ باتیں معلوم نہیں۔ یہ لوگ ابھی تک ویسا ہی لباس پہنتے ہیں۔ ان کے پاس صدیوں پرانی تلواریں ہیں اور یہ لوگ اسی طرح رہتے بستے ہیں جس طرح ان کے آباو اجداد (باپ دادا) رہتے تھے۔

یہ کہہ کر علامہ دانش خاموش ہوگئے۔ بس یہی کچھ معلومات حکومتِ ایران نے پہنچائی تھیں۔ علامہ دانش اور کپتان مرشد ان تلواروں کو دیکھنے کی سعادت حاصل کرنا چاہتے تھے، جو صلاح الدین کے سپاہیوں نے استعمال کی تھیں۔ آزونا کو یقین تھا کہ یہ سب فوجی افریقی نسل کے کالے لوگ تھے۔ وہ ان سے ملنے بلکہ ان کے ہاتھ پاؤں چومنے کو بے تاب تھا۔

علامہ نے پوچھا، "تم کچھ فکرمند دکھائی دیتے ہو؟"

میں نے کہا، "میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا۔ مجھے تو یہ سب محض افسانہ نظر آتا ہے۔" کپتان مُرشد قہقہہ لگا کر بولا، "تم پر کچھ آزونا کا اثر ہوگیا ہے۔ اس لیے ہر بات میں کالا نظر آتا ہے۔"

علاّمہ بولے، "بھئی اسی بات کی سچائی معلوم کرنے کے لیے ہم وہاں جا رہے ہیں۔" مرشد نے پوچھا، "وہاں کوئی جگہ ایسی ہے جہاں ہم ہیلی کاپٹر اتار سکیں؟" علامہ نے ایران کا نقشہ ہمارے سامنے پھیلا دیا۔ انھوں نے ایک جگہ انگلی رکھ دی اور بولے، "یہ ہے وہ جگہ جہاں ہمیں جانا ہے۔ اس کے نزدیک ہی یہ ایک چھوٹی سی جھیل ہے۔ اس کے علاوہ دور دور تک پہاڑیاں ہیں۔" مُرشد بولا، "جی ہمارا کام بن جائے گا۔"

ہم ایران پہنچے۔ دور دور تک ویران علاقے اور خشک پہاڑیوں سے گزر کر ہم اس جگہ پہنچے۔ یہ جگہ بہت سرسبز تھی۔ علامہ نے جیسا بتایا تھا ہم نے اسے ویسا ہی پایا۔ ایک چھوٹی سی جھیل میں ہم نے جہاز کو اُتارا۔ جھیل کے کنارے پر خود رَو (اپنے آپ اُگنے والے) پودے تھے جو پھولوں سے لدے ہوئے تھے۔ اس کے ایک طرف آسمان کی بلندیوں کو چھُونے والا پہاڑ، اس کی برف پوش چوٹیوں سے برف پگھل پگھل کر چھوٹے ندی نالوں کی شکل میں بہتی ہوئی اس جھیل میں گر رہی تھی۔

میرا دل چاہا کہ میں اس حسین منظر کو دیکھتا ہی رہوں اور ساری عمر اس جھیل کے کنارے گزار دوں۔ اس جھیل کے دوسرے سرے پر وہ جگہ تھی جہاں ایوبی رہتے تھے۔

ہم جھیل کے کنارے بیٹھ کر گپ شپ میں مصروف ہو گئے۔ ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ ایک بہت لمبا تڑنگا شخص ہماری طرف آتا دکھائی دیا۔ وہ بہت پُر رعب اور باوقار نظر آتا تھا۔ اس نے ریشمی عبا پہن رکھی تھی، جس پر چاند اور ستارے کاڑھے ہوئے تھے۔ سر پر سبز عمامہ، پاؤں میں زرد رنگ کے سلیپر، گلے میں موتیوں کی مالا تھی، انگلیوں میں انگوٹھیاں تھیں، ہاتھوں میں کنگن اور نہ جانے کیا کیا الم غلم چیزیں پہن رکھی تھیں۔

مجھے تو پہلی نظر میں یہ علی بابا۔ الف لیلیٰ والا علی بابا دکھائی دیا۔ وہ سیدھا ہماری طرف آیا۔ اس نے جُھک کر سلام کیا۔ شاید اس نے بھانپ لیا تھا کہ علاّمہ ہمارے سربراہ ہیں، چناں چہ وہ ان کے پاس پہنچا اور ان کے ہاتھ چوم کر بولا، "خوش آمدید! اہلاً و سہلاً!" میں اتنا ہی سمجھ گیا۔ اس کے بعد اس نے فارسی' ترکی ملی جلی زبان بولنی شروع کی، جس کا کوئی کوئی لفظ میری سمجھ میں آجاتا۔ البتہ علامہ دانش اچھی طرح اس کی باتیں سمجھ رہے تھے۔ علاّمہ نے بعد میں ہمیں بتایا کہ یہ شخص علی بابا کسی شہزادے کا درباری نجومی تھا۔ کسی بات پر ناراض ہو کر شہزادے نے اسے ملازمت سے نکال دیا۔ اب وہ سامنے کی پہاڑیوں کے ایک غار میں رہتا ہے۔ اس نے ہمیں اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی، جسے علاّمہ نے منظور کر لیا۔

ہم نجومی (جسے میں علی بابا ہی کہوں گا) کے غار میں پہنچے۔ میں اس غار کی آرائش (سجاوٹ) دیکھ کر حیران رہ گیا۔ شان دار اور قیمتی قالین فرش پر بچھے ہوئے اور دیواروں پر لٹکے ہوئے تھے۔ بے حد قیمتی فانوس غار کی چھت میں لٹکے ہوئے تھے۔ فرش پر ریشمی گاؤ تکیے لگے ہوئے تھے۔ ایک تپائی پر صُراحی میں شراب رکھی ہوئی تھی۔ ہم گاؤ تکیوں سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ علی بابا ایک تشتری میں پھل لے کر آیا۔ باہر ایک چشمے سے ٹھنڈا پانی لے کر اس سے بے حد لذیذ شربت تیار کیا۔ علی بابا کا یہ ٹھاٹھ باٹ بار بار حیران بلکہ پریشان کر رہا تھا۔ علی بابا اور علامہ دانش میں گفت گو کا سلسلہ شروع ہوا۔ اللہ جانے دونوں نے کیا کیا باتیں کیں۔ اچانک علاّمہ نے صلاح الدین ایوبی کے سپاہیوں کے متعلق باتیں شروع کیں۔ علی بابا جو کچھ بتا رہا تھا، علامہ اس کا ترجمہ کر کے بتاتے رہے۔

علی بابا نے کہا، "خوش قسمتی سے آپ لوگ ایوبیوں کے بالکل نزدیک ہی اُترے ہیں۔ یہ اجنبی لوگوں کی جان کے دشمن ہیں۔ جب کوئی بھولا بھٹکا مسافر ان لوگوں کے ہتھے چڑھ جاتا ہے، یہ اسے موت کے گھاٹ اُتار دیتے ہیں۔ بس یوں جانیے کہ ان لوگوں سے ملنا اپنی موت کو دعوت دینے کے برابر ہے۔ یہ لوگ درویشوں کی بہت عزّت کرتے ہیں۔ اس لیے اگر آپ ان سے ملنا چاہیں تو درویشوں

کا بھیس بدل کر مل سکتے ہیں۔ خوش قسمتی سے میرے پاس کچھ فالتو چغے اور عمامے ہیں۔ آپ انھیں استعمال کر سکتے ہیں۔ مجھے بھی اس جگہ کا پوری طرح علم نہیں ہے، جہاں یہ ایوبی لوگ رہتے تھے۔

ان پہاڑیوں میں بہت سی وادیاں تھیں۔ اب اگر ہم کسی غلط جگہ پہنچ جاتے تو ممکن ہے کہ ہم کسی ازبک یا تاتاری قبیلے کے ہاتھ لگ جاتے، جو ہمارے سروں کو کاٹ کر لٹکا دیتے۔

علی بابا کی تجویز ہمیں پسند آئی۔ جب ہم نے درویشوں کے چغے پہنے تو بہت لطف آیا مرشد نے درویشوں کا چغہ پہننے سے انکار کر دیا۔ وہ بولا، "مجھے سوانگ بھرنا پسند نہیں آتا۔ یہ ڈراما آپ ہی کیجیے۔ مجھے اپنے جہاز کو خالی چھوڑنا پسند نہیں، اس لیے میں چلتا ہوں۔ اللہ حافظ!" یہ کہہ کر مرشد وہاں سے رخصت ہوا۔

اچانک کافی فاصلے پر گھنٹیوں کی آواز سنائی دی۔ پھر کوئی بہت زور زور سے ڈھول پیٹ کر کچھ کہنے لگا۔ علی بابا نے کہا، "ہمارے ملک میں اخبار نہیں ہوتے۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ خبریں پہنچانے کے لیے یہی اعلانچی ڈھنڈورا پیٹ پیٹ کر خبریں سناتے ہیں۔ اس کے معاوضے میں لوگ انھیں کھانے پینے کی چیزیں اور دوسرے تحفے دیتے ہیں۔ انھیں ہر جگہ جانے کی پوری آزادی ہے اور کوئی قبیلہ انھیں کچھ نہیں کہتا۔ ان لوگوں کو پتا ہوتا ہے کہ کون سا قبیلہ کہاں رہتا ہے۔ ذرا ٹھہریے میں اسے اپنے ساتھ لے کر آتا ہوں۔"

علی بابا ڈھنڈورچی کو اپنے ساتھ لے کر غار میں آیا۔ اس نے ڈھنڈورچی کی بہت خاطر مدارت کی۔ غار کے اندر سے اُبلے ہوئے چاول اور کوفتے لے کر آیا۔ اس نے علی بابا سے ایک نامعلوم زبان میں بات کی۔ اس نے اشارے سے بتایا کہ ہم ایوبیوں سے ملنا چاہتے ہیں۔ پہلے تو وہ انکار میں سر ہلاتا رہا آخر وہ رضامند ہو گیا۔ اگلے دن جب ہم بیدار ہوئے تو ہمارا میزبان موجود نہیں تھا۔

ہم ایوبیوں سے ملنے کے لیے روانہ ہوئے۔ سب سے آگے وہ ڈھنڈورچی تھا۔ اس کے پیچھے علامہ، پھر آزونا اور سب سے آخر میں میں تھا۔ میں راستے میں جگہ جگہ چاک سے نشان بناتا گیا تاکہ اگر ہمیں وہاں سے اچانک فرار ہونا پڑے تو کوئی دشواری پیش نہ آئے اور ہم ان نشانات کو دیکھتے ہوئے واپس پہنچ جائیں۔

میں نے علامہ کے ساتھ بہت سے سفر کیے لیکن یہ سفر سب سے انوکھا تھا۔ رہ رہ کر یہ خیال میرے ذہن میں آتا کہ شاید یہ ہماری زندگی کا سب سے زیادہ خطرناک سفر ہے اور میرے جسم میں سنسنی

دوڑ جاتی۔ ہم بہت دیر تک چلتے رہے۔ ہمارا راستہ کبھی پہاڑیوں پر سے گزرتا، کبھی سرسبز و شاداب (ہری بھری) وادی سے۔ راستے میں ندی نالے بھی آئے۔ ہمارا رہبر جگہ جگہ ٹھیر کر ڈھول پیٹتا، پھر چیختی ہوئی آواز میں کچھ کہتا۔ مجھے تو یہ سب بالکل فضول معلوم ہو رہا تھا۔ وہاں دور دور تک کوئی دکھائی نہ دیتا تھا۔ آخر ایک جگہ پہنچ کر ہمارے رہبر نے اشارے سے بتایا کہ یہ تنگ سا راستہ اس وادی میں جاتا ہے۔ وہ ہمارے ساتھ ساتھ اس وادی میں داخل ہوا۔ علامہ کا خوشی سے بُرا حال تھا۔ ہمیں بھی خوشی تھی کہ چلو یہ سفر ختم تو ہوا۔

سفر ختم ہوا بلکہ یوں کہیے کہ ہماری زندگی کا سفر بھی ساتھ ہی ختم ہو جاتا۔ جب ہم تنگ سی پگڈنڈی پر چلتے ہوئے وادی میں داخل ہوئے تو ہمارے استقبال کے لیے چار ایوبی جوان آئے۔ ان کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں۔ جسم پر جو قمیص پہنی ہوئی تھی اس پر ہلال (چاند) بنا ہوا تھا اور سروں پر عمامے تھے۔ آزونا آہستہ سے میرے کان میں بولا، "صاحب جی، مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ لوگ ہمارے لیے پہلے سے تیار بیٹھے تھے۔"

اور اس کی بات درست نکلی۔ وہ ہمارے لیے پہلے سے تیار بیٹھے تھے۔ ایک نے اپنے چغے سے پستول نکال لیا۔ میں استقبال کا یہ نرالا انداز دیکھ کر ہنس پڑا۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ ہمارا رہبر بھی ہمارے اوپر پستول تانے ہوئے کھڑا تھا۔ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا، "رُک کیوں گئے؟ چلتے رہو جاسوسو۔" ہم حیران ہو کر ایک دوسرے کا منھ تکنے لگے۔ علامہ نے عربی میں کہا، "یہ سب کیا ہے؟ تم ہمیں کیوں ہراساں کیے دیتے ہو۔"

ایوبی قبیلے کے ایک شخص نے کہا، "تمھیں ابھی ساری باتوں کا علم ہو جائے گا۔ تم لوگ جاسوس ہو اور ہم جاسوسوں سے نمٹنا اچھی طرح جانتے ہیں۔"

علامہ حیران ہو کر بولے، "جاسوس؟ کیسے جاسوس؟ کس کے جاسوس؟"

ایوبی بولا، "حکومت ایران کے جاسوس۔ اب تم مرنے سے پہلے سُن لو کہ ایران، عراق اور اسلامی دنیا پر اب بہت جلد ہماری حکومت ہوگی، بنو اسرائیل، زندہ باد۔"

علامہ اچانک بولے، "آہ میں سب کچھ سمجھ گیا۔ تم لوگ یہودی ہو۔ تم نے صلاح الدین ایوبی کے لشکریوں کی اولاد ہونے کا ڈھونگ رچایا ہوا ہے اور تم کسی مکروہ سازش میں مصروف ہو۔"

ایک یہودی ہنس کر بولا، "میرا خیال ہے آپ ہی علامہ دانش ہیں۔ اچھا تو سب سے پہلے میں آپ

ہی کو جہنم رسید کروں گا۔ ون۔ ٹو۔" اس کے ساتھ ہی ایک فائر ہو گیا۔ میں نے گھبرا کر آنکھیں بند کر لیں۔ میں انھیں مر کر گرتا ہوا دیکھنا پسند نہیں کرتا تھا، شاید آزونا بھی آنکھیں بند کیے کھڑا تھا۔ جب میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ علامہ ابھی تک صحیح سلامت کھڑے تھے۔ میں نے یہودیوں کی طرف دیکھا۔ جو شخص گولی چلانے والا تھا وہ جہنم رسید ہو چکا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کیا ہوا؟ کیا اس شخص نے اپنے ہی کو گولی ماری تھی؟ پھر کسی نے بہت جانے پہچانے لہجے میں کہا، "سب لوگ ہتھیار زمین پر پھینک دیں۔ ورنہ میں ایک ایک کو بھون کر رکھ دوں گا۔"

یہودیوں کی بدحواسی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اچانک یہ کیا ہو گیا؟ انھوں نے یکے بعد دیگرے (باری باری) اپنے ہتھیار زمین پر پھینک دیے۔

اب ہمارے رہبر نے نقلی مونچھیں اور داڑھی اُتار دی۔ یہ ہمارا عزیز دوست مرشد تھا۔

حیرت اور مسرت سے ہم سب کا بُرا حال تھا۔ خوشی اس بات کی تھی کہ اللہ نے ہمیں دوبارہ زندگی عطا فرمائی۔ حیرت اس بات کی تھی کہ اس ڈرامے میں مرشد کہاں سے آن ٹپکا؟ وہ تو ہمارے سامنے واپس چلا گیا تھا۔ مرشد نے چیختی ہوئی آواز میں کہا، "اب تم سب ایک قطار بنا کر یہاں سے نکلو۔ خبردار، کسی نے غلط حرکت کی تو اسے جہنم رسید کر دوں گا۔" وہ چاروں یہودی ایک قطار بنا کر وادی سے باہر نکلے۔ ہم ان کے پیچھے پیچھے تھے۔ جیسے ہی وہ باہر نکلے انھوں نے ایک طرف کو دوڑنا شروع کر دیا۔

مرشد بولا، "اب آپ لوگ بھی اپنی جان کی خیر منائیے۔ آپ جتنی تیزی سے دوڑ سکیں دوڑیے ہم نے بھڑوں کے چھتے کو چھیڑ دیا ہے۔ میرا مطلب ہے کہ ان لوگوں نے بہت سے لوگوں کو اپنا ہم خیال بنایا ہوا ہے۔ وہ ہم سے بدلا لینے کے لیے آتے ہوں گے۔"

ہم پوری رفتار سے بھاگے۔ جب ہم علی بابا کے غار کے پاس سے گزر رہے تھے تو دور سے کسی نے فایر جھونک دیا۔ ہم اندھا دھند بھاگے۔ آخر ہم جھیل کے کنارے پہنچ گئے۔ وہاں ہم نے جھاڑیوں میں علی بابا کو پڑا ہوا دیکھا۔ اس کی پگڑی لڑھک کر دور جا گری تھی اور اس کے سنہرے بال ہوا میں لہرا رہے تھے۔ اس کے پاس ہی ایک اور شخص بے ہوشی کی حالت میں پڑا ہوا تھا۔ کپتان مرشد ہانپتے ہوئے بولا، "یہ شخص وہ ڈھنڈورچی ہے۔ یہ بھی یہودی ہے۔"

جب ہم جہاز پر سوار ہو چکے تو دور سے لوگوں کا ایک ہجوم نعرے لگاتا اور نہ جانے کیا کچھ بولتا بکتا ہوا ہماری طرف دوڑا۔ مرشد نے انجن چالو کیا اور جہاز کو چلاتا ہوا جھیل کے درمیان میں لے گیا۔ ہمارا جہاز

ہوا میں بلند ہوا۔ میں نے کھڑکی سے دیکھا، اللہ جانے کہاں سے سینکڑوں کی تعداد میں لوگ اُمنڈ اُمنڈ کر آرہے تھے۔ کچھ نے ہماری طرف بندوق سے فایر بھی کیا، لیکن خوش قسمتی سے ہم ان کی پہنچ سے بہت دور نکل چکے تھے۔ میں نے کہا، "میری سمجھ میں نہیں آیا کہ تم اس ڈرامے میں کہاں سے آٹپکے ؟"

مرشد قہقہہ لگا کر بولا، "بات در اصل یہ ہے کہ مجھے شروع میں علی بابا پر شک ہو گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے تمھارے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ میں جیسے ہی غار سے باہر نکلا، میری نظر بجلی کی تاروں پر پڑی۔ اس وقت مجھے یقین ہو گیا کہ یہ نجومی کوئی جعل ساز ہے اور ضرور یہ ہم لوگوں کو دھوکا دے گا۔ میں چھپتا چھپاتا ہوا بجلی کی تاروں کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ اس طرح مجھے ان لوگوں کا ٹھکانا معلوم ہو گیا جو ایوبی بنے ہوئے تھے۔ رات کے وقت علی بابا رائفل لے کر میری تلاش میں نکلا۔ میں تو شروع ہی سے اس کی تاک میں تھا۔ جوں ہی وہ میرے قریب پہنچا، میں نے اس کے سر پر رائفل کا دستہ دے مارا۔ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ میں نے اسے کھینچ کر جھاڑیوں میں چھپا دیا اور اس کے ہاتھ پاؤں اچھی طرح باندھ دیے۔ جب کافی دیر ہو گئی اور علی بابا واپس نہ لوٹا تو اُسے تلاش کرنے کے لیے ڈھنڈورچی باہر نکلا۔ میں نے اس کا بھی یہی حشر کر دیا۔ اس کی نقلی داڑھی مونچھ میں نے اپنے چہرے پر چپکالی اور اس کے کپڑے پہن کر میں غار میں آگیا۔ اس کے بعد کا ڈراما تمھارے سامنے ہے۔" علامہ نے کہا، "تم نے ہمیں پہلے ہی کیوں نہ خبردار کیا ؟" کپتان مرشد بولا، "اسے آپ میری بے وقوفی کہیے یا شوخی۔ میں سارے واقعے کو ڈرامائی شکل دینا چاہتا تھا۔"

علامہ بولے، "تمھارا بے حد شکریہ، تم نے ہماری جانیں بچائیں۔ ورنہ ہم غدّار یہودیوں کے ہاتھوں مارے جاتے اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی۔" کوئی ڈیڑھ گھنٹے کی پرواز (اڑان) کے بعد ہم تہران پہنچے۔ ہم نے ان نقلی ایوبیوں کے متعلق سب باتیں تفصیل سے بتائیں۔

ایران کی حکومت نے فوراً کئی فوجی دستے وہاں روانہ کیے اور ان یہودیوں کی سازش کا قلع قمع (خاتمہ) کر دیا۔

اگلے دن کی بات ہے کہ حکومتِ ایران نے ہماری اس کارگزاری پر ہمیں تمغے اور انعام عطا کیا۔ ہمارے جہاز کو بھی "شاہین" کا خطاب اور ڈھائی لاکھ روپے انعام دیا۔

مرشد نے مسکرا کر کہا، "کہتے ہیں مرا ہاتھی سوا لاکھ کا ہوتا ہے اور ....."

علامہ جھٹ سے بولے، "زندہ ہاتھی ڈھائی لاکھ کا۔" ہم چاروں نے زور کا قہقہہ لگایا۔

نونہال مصور

رضوان معین صوفی، کراچی

شاہد منور حسین وارثی، لانڈھی - ۶

احسن اسلام، کراچی

ارشد حسین گھانچی، کراچی

عظمیٰ رفعت، کراچی

محمد حسین شاد، سرائے سدھو

محمد سہیل محمد قیوم، کراچی

سعید احمد سعید، دھنوٹ

عظمیٰ رفعت، کراچی

عظمیٰ فاروقی، کراچی

قائداعظمؒ نے فرمایا

"تعلیم کے بغیر ظلمت اور تاریکی ہے"

۲۵ نومبر ۱۹۴۵ء پشاور

اس ارشاد کی تکمیل کے لئے وزیراعظم جناب محمد خان جونیجو کے
پانچ نکاتی پروگرام میں تعلیم کو اہم درجہ دیا گیا ہے

☆ اسلامی جمہوریت کا استحکام
☆ مساوات پر مبنی معاشی نظام کا فروغ
☆ رشوت، بے انصافی اور بدعنوانیوں کے خلاف جہاد
★ جہالت کا خاتمہ اور قوم کو جدید سائنسی دور سے ہمکنار کرنا
☆ قومی اتحاد کو مضبوط بنانا

ہم
آج کے دن
اللہ تعالیٰ کے حضور
اس مقصد کی تکمیل کے لئے
ہر ممکن کوشش کرنے کا عہد کرتے ہیں

نیشنل بینک آف پاکستان

United

PID-1-29/87

فیصل آباد

رانا محمد اویس خاں

۱۸۸۰ء سے پہلے پنجاب کا شمال مغربی علاقہ ایک وسیع جنگل تھا۔ اس جگہ پر اب فیصل آباد شہر آباد ہے۔ اُس وقت اسے "ساندل بار" کہتے تھے۔ بعض روایات کے مطابق اس علاقے کا نام ایک ڈاکو ساندل کی مناسبت سے ساندل بار رکھا گیا تھا۔ بار کے معنی جنگل کے ہیں۔ زمانۂ قدیم میں فیصل آباد کو "دُلے کی بار" بھی کہا جاتا تھا، کیوں کہ مصروف رومانوی کردار "دُلا بھٹی" کا تعلق اِسی خطّے سے تھا۔

انیسویں صدی کے آخر تک یہاں 'جٹ' اور 'بلوچ' آباد تھے، جو جہالت کا شکار تھے اور اُن کی گزر اوقات کھیتی باڑی پر تھی۔ جہاں جاٹوں کی آبادی زیادہ ہوتی تھی اُس جگہ کو "رہنا" کہا جاتا تھا اور جس جگہ بلوچ زیادہ تعداد میں آباد ہوتے اُسے "جھوک" کا نام دیا جاتا تھا۔

فیصل آباد کا علاقہ دریائے راوی اور دریائے چناب کے درمیان آباد ہے۔ یہاں رہنے والے جٹ اور بلوچ انگریزوں سے سخت نفرت کرتے تھے۔ انھیں صنعت و حرفت سے کچھ تعلق نہ تھا۔ اس

خطے میں قدیم دَور میں "ہرل، کھرل، ہریانے، چُڈھر، مُٹھل، نیکو کارے اور ہراج" ذاتوں کے لوگ بھی آباد تھے۔ ۱۸۹۲ء میں نہر "گوگیرہ برانچ" جاری ہونے پر اس علاقے میں پہلی مرتبہ اراضی تقسیم ہوئی۔ انگریز حکومت نے دوسرے علاقے کے لوگوں کو بھی یہاں زمینیں الاٹ کیں۔ اس طرح یہاں آبادکاری ہونے لگی۔

فیصل آباد کا پہلا نام "لائل پور" تھا یہ نام شہر کے حاکم "سرجیمز لائل" کے نام پر رکھا گیا۔ اس کی بنیاد ۹۵-۱۸۹۴ء میں رکھی گئی۔

فیصل آباد پاکستان کا پہلا شہر ہے جسے باقاعدہ نقشے کے تحت آباد کیا گیا تھا۔ اب اسلام آباد کو بھی نقشے کے تحت آباد کیا گیا ہے۔ فیصل آباد شہر کا نقشہ اُس وقت کے مشہور رئیس گنگارام نے مرتب کیا تھا۔ اس شہر کے بازاروں کی ترتیب کچھ اس طرح رکھی گئی ہے کہ نقشے میں اُن کو دیکھ کر انگلینڈ کے قومی پرچم "یونین جیک" کا گمان ہوتا ہے، اس کے درمیان میں گھنٹہ گھر ہے اور اُس کے اطراف میں سات بازار نکلتے ہیں اور ان سب بازاروں کو ایک بازار درمیان سے قطع کرتا ہے۔ اُس کا نام گول بازار ہے۔

فیصل آباد کا شمار پاکستان کے خوب صورت اور صاف ستھرے شہروں میں ہوتا ہے۔ یہ شہر اس وقت پنجاب کا دوسرا اور پاکستان کا تیسرا بڑا شہر ہے۔ اس شہر کا موجودہ نام فیصل آباد سعودی رہنما شاہ فیصل شہید کی وفات کے بعد ان کے نام پر رکھا گیا۔ تقریباً دو سال قبل صدر مملکت جناب ضیاء الحق نے دورۂ فیصل آباد کے موقع پر فیصل آباد شہر کو ڈویژن کا درجہ دیا تھا۔

فیصل آباد بنیادی طور پر ایک صنعتی شہر ہے۔ یہاں خاص طور پر کپڑے، ہوزری اور سوت کی صنعتیں کافی تعداد میں قائم ہیں۔ پچھلے چند برسوں میں اس شہر نے ان صنعتوں ہی کے باعث بہت ترقی کی ہے۔ جس طرح کراچی نے صنعتوں کے باعث بے انتہا ترقی کی ہے اور لوگ پاکستان بھر سے تلاشِ روزگار کے سلسلے میں کراچی آتے ہیں، اسی طرح اب فیصل آباد شہر میں بھی لوگ پنجاب اور صوبۂ سرحد سے تلاشِ معاش کی خاطر برابر آرہے ہیں۔ فیصل آباد میں واقع زرعی یونی ورسٹی پاکستان میں بڑی یونی ورسٹیوں میں شمار ہوتی ہے۔ یہاں پاکستان کے علاوہ غیر ممالک کے طلبہ بھی زیرِ تعلیم ہیں۔ زرعی یونی ورسٹی سرگودھا روڈ سے شروع ہو کر نڑ والا روڈ کے اختتام تک واقع ہے۔ اس یونی ورسٹی میں ہر طرح کے پھلوں وغیرہ کے باغات ہیں۔ ان باغات سے حاصل ہونے والے پھل بہت اعلا قسم کے ہوتے ہیں۔ اسی لیے انھیں غیر ممالک میں برآمد کر کے زرمبادلہ کمایا جاتا ہے۔ یہاں واقع پودوں اور بیجوں کے

تحقیقاتی ادارے ایوب ایگریکلچرل انسٹی ٹیوٹ کو بھی ملک میں ممتاز حیثیت حاصل ہے۔ یہ تحقیقاتی ادارہ جھنگ روڈ پر واقع ہے۔ اس ادارے کے ارکان بیجوں پر نت نئے تجربات کر کے زیادہ سے زیادہ بہتر نتائج کے لیے کوشاں رہتے ہیں تاکہ ملک کے پیداواری ہدف کو بڑھایا جائے۔

فیصل آباد میں ریڈیو اسٹیشن بھی قائم ہے۔ پاکستان ٹیلی وژن کارپوریشن نے یہاں رنگین ٹیلی وژن بوسٹر نصب کیا ہے۔ اس شہر کے لیے ذرائع آمد و رفت کی بہترین سہولتیں مہیا کی گئی ہیں شہر سے ۱۵ - ۲۰ کلو میٹر دور جھنگ روڈ پر فیصل آباد ایر پورٹ واقع ہے۔

فیصل آباد ریلوے لائن کے ذریعے سے بھی ملک کے دوسرے شہروں سے ملا ہوا ہے۔ روزانہ تین ایکسپریس ٹرینیں کراچی کے لیے روانہ ہوتی ہیں۔

یہ شہر پنجاب کے مین کاروباری علاقوں کے تقریباً درمیان میں واقع ہے۔ لاہور، گجرانوالہ، جھنگ، سرگودھا، کمالیہ اور ملتان وغیرہ اس شہر کے چاروں جانب واقع ہیں۔

فیصل آباد میں بہت بڑا جنرل بس اسٹینڈ بھی ہے، جہاں پنجاب کے ہر شہر میں جانے کے لیے بسیں تیار ملتی ہیں۔ چوہدری نذیر احمد صاحب ضلع کونسل فیصل آباد کے چیئرمین اور قومی اسمبلی کے ممبر ہیں۔ اُن کی کمپنی کوہستان بس سروس یہاں کی سب سے بڑی کمپنی ہے۔

یہاں سرکاری ملازمین کی رہائش کے لیے کوارٹرز بنے ہوئے ہیں، جو کہ امین پور بازار کے آخر میں بائیں جانب واقع ہیں۔ امین پور بازار کے ختم ہونے کے بعد آگے جو سڑک ہے اس پر ایک گرلز کالج، ایک بوائز کالج، دو لڑکوں کے ہائی اسکول، ایک لڑکیوں کا ہائی اسکول اور لڑکوں اور لڑکیوں کے دو علاحدہ پرائمری اسکول واقع ہیں۔ یہ تمام اسکول اور کالج ایک میں تفریح گاہیں موجود ہیں۔ شہر سے ۱۶ کلو میٹر دور شیخو پورہ روڈ پر "گٹ والا پارک" کے نام سے ایک نئی تفریح گاہ بنائی گئی ہے۔ ضلع کونسل کی پچھلی جانب ایک کافی بڑا پارک "کمپنی باغ" ہے۔ اب اس کا نام تبدیل کر کے "باغ جناح" رکھ دیا گیا ہے۔ یہ کافی خوب صورت اور بڑا پارک ہے۔ یہاں دو ریسٹورنٹ بھی ہیں۔ پورے باغ میں بجلی کی روشنی خوب صورتی سے سجائی گئی ہے۔ باغِ جناح سے کچھ ہی فاصلے پر کرکٹ سنٹر اقبال اسٹیڈیم" ہے۔ اقبال اسٹیڈیم پاکستان کا دوسرا بڑا کرکٹ سنٹر ہے۔ گراؤنڈ میں گھاس وافر مقدار میں ہے جس کی کٹنگ یورپین طرز پر کی گئی ہے۔ یہ بڑی خوب صورت لگتی ہے۔ اقبال اسٹیڈیم کے عین مقابل ایک نئی سیرگاہ "فن لینڈ" کے نام سے تعمیر کی گئی ہے۔ اس کو کلفٹن کراچی کی طرز پر بنانے کی

کوشش کی گئی ہے، لیکن یہ جگہ کچھ چھوٹی ہے۔

جناح کالونی میں بھی ایک خوب صورت پارک واقع ہے۔ ایک کافی بڑا میدان " دھوبی گھاٹ" بھی ہے جس کی خوب صورت تعمیر جاری ہے۔ خواتین کے لیے یہاں ایک علاحدہ باغ بھی موجود ہے۔

فیصل آباد نے کھیل کے میدان میں بھی ترقی کی ہے۔ اس شہر کے کئی کھلاڑی قومی ٹیموں کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ پاکستان ہاکی ٹیم کے سابق گول کیپر قمر ضیا کا تعلق فیصل آباد سے ہے۔ پاکستان کی موجودہ جونیئر ٹیم کے کپتان اور سینئر ٹیم کے بہترین فارورڈ " شہباز احمد" کا تعلق بھی فیصل آباد سے ہے۔ پاکستان جونیئر ہاکی ٹیم کی نمائندگی کرنے والے ۱۶ میں سے چھے کھلاڑیوں کا تعلق فیصل آباد سے ہے۔ کرکٹ کے راجا مشہور اسٹائلش اسٹروک پلیئر وسیم حسن راجا اور اُن کے چھوٹے بھائی رمیز حسن راجا کا تعلق بھی فیصل آباد سے ہے۔

فیصل آباد میں دیسی کشتی کا شوق بھی لوگوں میں پایا جاتا ہے۔ یہاں ویسے تو کئی مشہور پہلوان ہیں مگر مظہر حسن ڈار اور نجم الدین عرف توتا پہلوان نے ملک گیر شہرت حاصل کی۔ ایک ہاکی اسٹیڈیم کی تعمیر بھی جاری ہے۔

ہر سال " جشنِ فیصل آباد" منعقد ہوتا ہے اور نمائش کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ یہ نمائش اور جشن تقریباً دو ہفتے تک جاری رہتا ہے، جس کے دوران پورے فیصل آباد میں میلے کا سا سماں پیدا ہو جاتا ہے۔ شہر بھر میں طرح طرح کے ورائٹی پروگرام منعقد کیے جاتے ہیں۔ لاہور سے ٹی وی اور فلم کے تمام نام ور اداکار فیصل آباد بلائے جاتے ہیں۔ زندہ دلان فیصل آباد ان تمام پروگراموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہر قسم کے قومی تہواروں کو پورے جوش و خروش سے منایا جاتا ہے۔

فیصل آباد کے باشندوں نے ہر میدان میں ترقی کی ہے۔ زندہ دلوں کے اس پُر رونق شہر کو پاکستان کا مانچسٹر بھی قرار دیا گیا ہے۔ غرض فیصل آباد ایک خوب صورت شہر ہے۔

* *

ساٹھ کروڑ فون

دنیا میں ساٹھ کروڑ ٹیلے فون ہیں۔ دنیا کی آبادی کا پانچواں حصہ انھیں استعمال کرتا ہے۔ ان میں سے تین چوتھائی فون ۹ ملکوں میں ہیں۔ صرف ٹوکیو میں پورے افریقی ملکوں کے ٹیلے فونوں سے زیادہ ٹیلے فون ہیں۔

مُسکراتے رہو

• ایک شخص، اگر رات کو دیر تک نیند نہ آئے تو کیا کرنا چاہیے؟

دوسرا شخص: نیند کا مزید انتظار فضول سمجھ کر اطمینان سے سو جانا چاہیے۔ مرسلہ محمد عمران، کورنگی

• ایک کنجوس کی بیوی مرنے کے قریب تھی، کئی دن وہ اپنی بیوی کے سرہانے بیٹھا رہا، آخر ایک دن یہ کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا:

"میں کاروبار کے سلسلے میں جا رہا ہوں۔ جلد آجاؤں گا اگر تمھیں موت آجائے تو مرنے سے پہلے لیمپ اور ہیٹر بجھا دینا۔" محمد عامر اختیار، نصر پور

• ایک شکر کا مریض ڈاکٹر صاحب کے پاس گیا۔ ڈاکٹر نے کہا کہ کیا آپ کو پیشاب میں شوگر آتی ہے؟ شوگر کا مطلب اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔ ڈاکٹر نے کہا کہ کیا آپ کو پیشاب میں چینی آتی ہے؟ مریض نے کہا، "جی میں نے کبھی چکھ کر نہیں دیکھی۔" عالیہ نسیم، لاہور

• ٹکٹ چیکر ایک ڈبے میں جب داخل ہوا تو ایک مسافر اسے دیکھ کر بنچ کے نیچے گھس گیا۔ چیکر کی تیز نگاہوں نے اسے بھانپ لیا۔ وہ دوسرے مسافروں کو نظر انداز کرتا ہوا وہاں پہنچ گیا۔ بلا ٹکٹ مسافر اسے بنچ کے نیچے جھانکتے ہوئے دیکھ کر سٹپٹا گیا اور گھگھیا کر بولا،

"حضور! میری بیٹی کی شادی ہو رہی ہے اور میرے پاس ٹکٹ خریدنے کے پیسے نہیں ہیں، اس لیے مجبوراً بلا ٹکٹ سفر کر رہا ہوں۔" ٹکٹ چیکر نرم طبیعت کا تھا۔ اُسے چھوڑ کر پلٹا تو ایک دوسرا شخص کونے میں دبکا ہوا نظر آیا۔ ٹکٹ چیکر ہنستے ہوئے بولا، "اور حضور! آپ کس کی شادی میں تشریف لے جا رہے ہیں؟" دوسرا مسافر پہلے مسافر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا، "میں اِن کا ہونے والا "داماد" ہوں۔" علی ذوالقرنین، کراچی

• ایک چھوٹا سا بچہ اپنے باپ کے ساتھ چڑیا گھر کی سیر کو گیا۔ اس نے پہلے کبھی سانپ نہیں دیکھا تھا۔ ایک جگہ اس نے سانپ کو دیکھا تو معصومیت سے کہنے لگا۔ "ابو! ابو! یہ کیسی دُم ہے جو بغیر کتے کے ہل رہی ہے۔"

شمائل اقبال، کراچی

• دو دوستوں کو کسی قتل کے جرم میں پھانسی کی سزا سُنا دی گئی۔ ایک بہت پریشان لہجے میں بولا، "اب کیا ہوگا؟"

دوسرے نے جواب دیا، "ہونا کیا ہے۔ جونہی پھانسی کی سزا ختم ہوگی دونوں بھاگ چلیں گے۔"

● میاں بیوی ایک عظیم الشان ہوٹل میں بیٹھے تھے. میاں بولا، "ارے بیگم! اس اعلا ہوٹل کی کوئی یادگار چیز رکھ لینی چاہیے۔"

بیگم نے کہا، "آپ فکر مت کریں میں نے چھریاں، کانٹے اور چمچے رکھ لیے ہیں۔"

سروش قریشی، گوٹھ ماچھی

● ایک لڑکا (دوسرے سے) یہ جو شادی کارڈوں کے اوپر ج۔س۔م۔ف لکھا ہوتا ہے، اس کا مطلب کیا ہے؟

دوسرا لڑکا: جوتوں سے مرمت فرمائیں۔

شازیہ بشیر، نواب شاہ

● مُلّا نصرالدین کے گھر روز صبح صبح ایک فقیر آجاتا تھا۔ مُلّا اس سے تنگ آچکے تھے۔

ایک دن فقیر آیا۔ مُلّا نے پوچھا، "کون ہے؟"

اس نے کہا، "اللہ کا مہمان۔"

مُلّا نے اس کا ہاتھ پکڑا اور مسجد کی طرف لے جاکر کہا، "تجھے غلط فہمی ہوئی ہے۔ اللہ کا گھر یہ ہے۔"

● ایک صاحب کا جوتا تنگ تھا، چلنے میں تکلیف ہو رہی تھی۔ کسی نے پوچھا، "جوتا کہاں سے لیا ہے؟"

جلے بھُنے تو تھے ہی بولے، "درخت سے توڑا ہے۔"

دوسرا بولا، "بڑی جلدی کی آپ نے۔ ایک ہفتہ ٹھیر جاتے تو جوتا پورے ناپ کا ہو جاتا۔"

● ایک بچی جب پہلے دن اسکول سے آئی تو اس نے اپنی امّی سے کہا، "میں اپنا وقت برباد کر رہی ہوں۔"

اس کی امّی نے پوچھا، "وہ کیسے؟"

بچی: نہ مجھے پڑھنا آتا ہے، نہ لکھنا آتا ہے اور اسکول والے مجھے کھیلنے بھی نہیں دیتے۔

● دو بچّے باتیں کر رہے تھے۔ ایک بولا:
اللہ کا شکر ہے کہ میں انگلستان میں پیدا نہیں ہوا۔

"کیوں؟" دوسرے بچے نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ اس لیے کہ مجھے انگریزی بولنی نہیں آتی ہے۔" پہلے بچّے نے معصومیت سے جواب دیا۔

جے۔ آئی۔ ساغر، کراچی

● ایک آدمی کے گھر کے سامنے گدھا مرا پڑا تھا۔ اس نے میونسپل کارپوریشن کو فون کیا کہ میرے گھر کے سامنے گدھا مرا پڑا ہے، اُٹھوالیں۔

جواب ملا، "وہیں دفنا دیں۔"

آدمی کچھ دیر تک خاموش رہا اور پھر جل کر بولا، "دفنا تو دیتا مگر میں نے سوچا کہ پہلے خاندان والوں کو اطلاع کر دوں۔"

وقار احمد رحیمہ، ملتان

● شوہر: میں نہانے جا رہا ہوں۔

بیگم: ضرور جائیے مگر آج لمبے لمبے گانے مت گائیے گا، صابن بہت تھوڑا ہے۔

● دوست: یہ تو بتاؤ ان راستوں میں سے وہ کون سا راستہ ہے کہ بازار جلد پہنچ جاؤں؟

دوسرا دوست: یہ راستہ؟

پہلا دوست: وہ کیسے؟

دوسرا دوست: اس راستے میں تمھیں ایک بڑا

کتا ملے گا۔ وہ تمھیں بازار جلدی پہنچا دے گا۔

عبدالقادر خانزادہ، حیدرآباد

● گاہک: (دُکان دار سے) تمھارا دعوا ہے کہ تمھارے پاس خوب صورت تصویریں ہیں، لیکن سامنے والی تصویر تو بہت بدصورت ہے۔

دکان دار: معاف کیجیے گا وہ آئینہ ہے۔

● اجنبی سیاح: (گائیڈ سے) اس شہر میں کوئی پاگل خانہ ہے۔

گائیڈ: جی نہیں۔

اجنبی سیاح: مگر میں نے تو اس شہر میں بے شمار پاگل دیکھے ہیں۔

گائیڈ: وہ سب آپ کی طرح باہر سے آئے ہوئے ہیں۔

● "تم یہ اینٹ کیوں اٹھائے پھر رہے ہو؟"

"میں اپنا مکان بیچنا چاہتا ہوں یہ اس کا نمونہ ہے۔"

سید اسلم شاہ، سکھر

● ایک دوست: گدھے کی گردان کرو۔

دوسرا دوست: وہ گدھا، وہ گدھے، تو گدھا، تم گدھے۔

پہلا دوست: آگے بھی بولو نا۔

دوسرا دوست: اس گردان کے صرف چار صیغے ہیں۔

● کسی شخص کو اتفاق سے ایک بڑا سرکاری عہدہ مل گیا۔ اس کے دوست احباب خوش ہو کر مبارک باد دینے لگے۔ مگر اس نے کسی کو بھی پہچاننے سے انکار کر دیا۔ اس نے ایک آدمی سے پوچھا:

کس لیے آئے ہو؟

آدمی نے جواب دیا، "عیادت کے لیے آیا ہوں، سُنا ہے کہ آپ اندھے ہو گئے ہیں۔"

محمد انیس راضی، ملتان

● انور: (اشرف سے) کیا تم ثابت کر سکتے ہو کہ پرندوں کی نظر انسانوں سے تیز ہوتی ہے۔

اشرف: اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ پرندے عینک نہیں لگاتے۔

عبدالصمد صابری، چمن

● پہلا دوست: احتیاط سے چلا کرو ورنہ کسی دن موٹر کے نیچے آجاؤ گے۔

دوسرا دوست: موٹر کے نیچے آنے سے کیا ہوتا ہے۔ میرے سر کے اوپر تو جہاز گزر جاتے ہیں۔

محمد جاوید اقبال سمتہ، رانی پور

● ایک کنجوس مٹھی میں روپیہ لیے جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے مٹھی کھولی تو اس کی ہتھیلی پر پسینہ آگیا تھا۔ کنجوس نے کہا، "نہ رو میرے پیارے، میں تجھے خرچ نہیں کروں گا۔" شاہد شوکت اور ندیم رحمٰن

● ایک شخص اپنے بیٹے سے کہہ رہا تھا، "بیٹا غم نہ کر یہ تو تقدیر کی بات ہے۔ تمھاری تقدیر میں فیل ہونا لکھا تھا۔ تم فیل ہو گئے۔" بیٹا خوش ہو کر بولا، "تب تو بہت اچھا ہوا ڈیڈی میں نے پڑھائی میں محنت نہیں کی ورنہ ساری محنت ضائع ہو جاتی۔" خانان درانی، حاجی باز گل روڈ، چمن

Adarts CAR-2/84

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نونہال ادیب

حمد

پسند: سید عبدالوہاب، چمن

اے خدا ارض و سماوات کا مالک تُو ہے
سب جہاں تیرے ہیں دن رات کا مالک تُو ہے

تیری ہی شان ہے ہر چیز سے ارفع، اعلا
تیری ہی ذات مقدّس ہے سبھی سے بالا

تیرے ہی فیض سے رونق ہے گلستانوں میں
خار بھی پھول بھی ہیں تیرے ثنا خوانوں میں

تیری رحمت ہی سے دریاؤں کو رفتار ملی
خاک کو حُسن ملا، زینتِ گفتار ملی

تیری ہیبت، تری شوکت تری عظمت کا جلال
چار سُو پھیلا ہے عالم میں ترا حُسن و جمال

نعت

پسند: زینت نجیب خانم، کراچی

فدا آپ پر میری جاں کملی والے
میری جان ہی کیا، دو جہاں کملی والے

ترے پاؤں کی دھول ہیں چاند تارے
تری رہ گزر کہکشاں کملی والے

بنے دونوں عالم تمھاری ہی خاطر
زمان و مکاں لامکاں کملی والے

مہ و مہر و انجم منوّر تمھیں سے
تمھیں تو ہو جانِ جہاں کملی والے

میرے وطن کے نوجوان

پسند: فوزیہ جیلانی قریشی منفرد، کراچی

صرصر کو پیچھے چھوڑ دیں
آندھی کے شہ پر توڑ دیں
بجلی کی آنکھیں پھوڑ دیں
ظاہر وجود ناتواں
باطن میں بحرِ بیکراں
تاریخ کا سیلِ رواں
میرے وطن کے نوجواں

سردی

پسند: تہمینہ جبیں، کراچی

سردی کا پھر موسم آیا ٹھیلے والا میوے لایا
کشمش، مونگ پھلی چلغوزے خوبانی، بادام، چھوارے
سن لو وہ آواز لگائے پھیری والا گھر کے آگے
کھالو بچّو! یاد کرو گے جاڑے سے محفوظ رہو گے
بچّے دوڑ کے لے آتے ہیں مل کے بستر پر کھاتے ہیں
تہمینہ کو یوں للچاتے ہو
جیب کو خالی کر جاتے ہو

میری کتاب

پسند: ایم عمران خان کشمیری، کراچی

تو اے کتاب مجھ کو نہایت عزیز ہے
بچپن میں تو نے مجھ کو سکھائی تمیز ہے
سچ سچ بتادے کون سی بستی سے آئی ہے
کیا اتنا علم، علم کے دریا سے لائی ہے
قسمت نے جب تجھے مرے ہاتھوں پہ دھر دیا
اک نور تھا کہ جس سے میرا سینہ بھر دیا
احسان جب کسی کا بھلانا نہیں روا
تیرا بھی نقش دل سے مٹانا نہیں بجا
پٹی بندھی ہے آنکھوں پہ میری تو کھول دے
جو علم تیرے پاس ہے سب مجھ کو تول دے
عمران خان کا مجھے یہ قول یاد ہے
نفرت جسے کتاب سے ہے نامراد ہے

ہمارا وطن

پسند: سید عمار یاسر زیدی، کراچی

نہ کیوں ہو ہمیں جاں سے پیارا وطن
ہے جنّت کا ٹکڑا ہمارا وطن
سہانا سہانا ہے سارا وطن
ہمارا وطن پیارا پیارا وطن

پہاڑ اس کے ہیں جاں فزا کس قدر
شجر اس کے ہیں خوش نما کس قدر
ہے جنّت کا گویا نظارہ وطن
ہمارا وطن پیارا پیارا وطن

یہ سر سبز جنگل لہکتے ہوئے
یہ باغوں کے منظر مہکتے ہوئے
خوشی سے ہے بھرپور سارا وطن
ہمارا وطن پیارا پیارا وطن

اچھے بھائی

پسند: ناصر کمال، حیدر آباد

محسن، طلعت، نور الٰہی
آپس میں ہیں تینوں بھائی
پڑھنا لکھنا کام ہے ان کا
ہشیاروں میں نام ہے ان کا
وقت پہ کھانا وقت پہ سونا
وقت پہ کھیل سے فارغ ہونا
جھوٹ سے نفرت کرتے ہیں وہ
سچّی بات پہ مرتے ہیں وہ

گھر والوں کا کہنا مانیں
لڑنا بھڑنا وہ کیا جانیں
منھ نہ کبھی بے موقع کھولیں
کوئی پکارے تو "جی" بولیں
چھوٹے بڑے ہیں سب خوش ان سے
واقف ہیں وہ پیار کے گن سے

چندا ماموں

پسند: راشد تقی

اچھے چندا ماموں پیارے
راجا ہے تو پرجا تارے
تیری صورت ہے نورانی
کتنی روشن ہے پیشانی
دیکھ کے تیری صورت پیاری
خوش ہوتی ہے دنیا ساری
ہلکی ہلکی ٹھنڈی ٹھنڈی
جی کو بھائے چاندنی تیری
پیاری صورت نوری بانا
شان سے تیرا آنا جانا
دیکھ کے بے خود ہو جاتا ہوں
میں تیری کھو جاتا ہوں
لیکن اس پر بس نہیں میرا بیت
دور بہت ہے ڈیرا تیرا
اُڑ نہیں سکتا پر نہیں میرے
کیسے آؤں گھر میں تیرے

بچوں کا ترانہ

پسند: فرحانہ حمید، حیدرآباد

آؤ بچو جشن منائیں
کھیلیں کودیں دھوم مچائیں
سبز ہلالی پرچم لے کر
قومی ترانہ مل کر گائیں
قائد کا پیغام سنا کر
درس اخوت کا سمجھائیں
علم ہاتھ میں لے کر شمعِ علم
گھر گھر یہ پیغام سنائیں
بستی بستی قریہ قریہ
درس اخوت کا پہنچائیں
باہم مل کر ہم اور تم
پاکستان کی ساکھ بنائیں

نورا نور، نور الٰہی

پسند: ثمینہ انجم انصاری

نورا نور اور نور الٰہی — آپس میں تھے بھائی بھائی
پیتے تھے وہ دودھ اور لسی — کھاتے تھے وہ دہی ملائی
کھیلنے جب جاتے تھے دونوں — کرتے تھے آپس میں لڑائی
واپس آتے تھے جب وہ لڑ کر — امی کرتیں خوب پٹائی
بازار میں دل ان کا للچاتا — دودھ کی دیکھ کر بھری کڑھائی
جیسے بھی تھے دونوں بھائی — کرتے تھے وہ خوب پڑھائی

اللہ پر بھروسا

زاہد سلطان فاروقی بشارت

ایک مرتبہ نو بھوکے آدمی حضرت رابعہ بصری کے مہمان ہوئے اور کھانا طلب کیا۔ آپ کے پاس صرف دو روٹیاں تھیں۔ اسی وقت ایک سائل نے آکر آواز دی۔ آپ نے وہ دونوں روٹیاں اٹھا کر سائل کو دے دیں۔ وہ لوگ بہت حیران ہوئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد ایک نوکرانی بہت سی روٹیاں لے کر آگئی اور کہا کہ یہ روٹیاں میری مالکن نے آپ کے لیے بھیجی ہیں۔ آپ نے روٹیوں کو شمار کیا تو وہ اٹھارہ تھیں۔ آپ نے نوکرانی سے کہا کہ تیری مالکہ نے تجھے میری طرف نہیں بھیجا ہے۔ نوکرانی نے بہت کہا کہ آپ ہی کی طرف بھیجا ہے۔ لیکن آپ نے نوکرانی کو روٹیاں واپس دے دیں۔ نوکرانی نے جاکر اپنی مالکہ سے اسی طرح کہہ دیا۔ مالکہ نے دو روٹیاں رکھ کر پھر بھیج دیں۔ اس بار رابعہ بصری نے روٹیوں کو گِنا تو وہ بیس نکلیں۔ آپ نے ان روٹیوں کو مہمانوں کے آگے رکھ دیا۔ ان لوگوں نے کھانا کھا کر پوچھا کہ یہ کیا راز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جب تم لوگ آئے تھے تو مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ تم لوگ بھوکے ہو گے۔ میں نے خیال کیا کہ دو روٹیاں تمھارے آگے کیا رکھوں؟ چناں چہ میں نے سائل کو دے دیں اور اللہ سے دعا کی کہ تو نے ایک کے بدلے دس دینے کا وعدہ کیا ہے اور مجھے اس بات کا یقین ہے۔ اب میں دو روٹیاں تیری راہ میں دیتی ہوں۔ جب اٹھارہ روٹیاں آئیں تو میں سمجھ گئی کہ یا تو کنیز نے روٹیاں چُرائی ہیں یا بھیجنے والوں کی غلطی ہے، کیوں کہ مجھے ہر حال میں بیس روٹیاں چاہیے تھیں یا پھر وہ مجھ کو نہیں بھیجی گئی تھیں، اس لیے میں نے واپس کر دیں۔ بعد میں پوری بیس روٹیاں آگئیں۔

خدمت خلق

عبدالرشید تبسم، حاصل پور

خدمتِ خلق کا مفہوم ہے سروں سے پیار و محبت سے پیش آنا اور ایک دوسرے کا کام بے لوث اور دیانت داری سے کرنا۔

دنیا میں ہمیشہ وہی قومیں کامیابی و نصرت سے ہم کنار ہوتی ہیں، جن میں خدمت کا جذبہ ہو۔ ہر فرد ایک دوسرے کا احترام کرے اور دوسروں کے دکھ درد میں برابر کا شریک ہو۔ خدمتِ خلق اسلام کا ایک بنیادی اور اہم جزو ہے، کیونکہ اسلام نے ہمیں اجتماعی زندگی کا سبق دیا ہے۔ انفرادی طور پر زندگی گزارنا اسلام کو منظور نہیں ہے، کیوں کہ جب بھی کسی معاشرے میں انفرادیت کی دوڑ ہونے لگے تو ذلّت و رسوائی اس معاشرے کا مقدر بن جاتی ہے۔

اسلام نے ایک ایسے معاشرے کی بنیاد رکھی ہے جس میں مختلف نسلوں، رنگوں اور علاقوں کے ہونے کے باوجود لوگ ایک ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے کے کام آتے ہیں۔ قرآن حکیم میں ہے:

"وہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے لیے مسکین، یتیم اور

اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں۔"

جب ایک مسلمان اسلامی ضابطۂ حیات کے تمام قوانین پر نیک نیتی سے عمل پیرا ہو جائے تو خدمتِ خلق کا جذبہ خود بخود اس کے اندر پیدا ہو جاتا ہے۔ مسلمان کی زندگی اور اس کے اعمال اللہ کے لیے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ لوگ آپس میں پیار و محبت سے پیش آئیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسولؐ ایسے لوگوں کو ہرگز پسند نہیں کرتے جو اپنی زندگی صرف اپنے لیے گزاریں، کسی اور کو اس کی زندگی سے کوئی راحت نہ ہو۔

دینِ اسلام خدمتِ خلق کو بہت بلند درجہ دیتا ہے۔ قوم کا سردار قوم کا خادم ہوتا ہے۔ خدمتِ خلق کا اسلام میں کس قدر اعلا مقام ہے۔ اس کا اندازہ مندرجہ ذیل حدیث مبارکہ سے لگایا جا سکتا ہے:

"مجھے رمضان بھر کے روزے رکھنے اور مسجدِ حرام میں بیٹھ کر اعتکاف کرنے سے زیادہ عزیز ہے کہ اپنے بھائی کی بوقتِ ضرورت امداد کروں۔"

خدمتِ خلق اگرچہ بے لوث کام کرنے کے ضمن میں آتا ہے لیکن اگر آدمی کی نیت صاف ہو تو وہ ملازمت اور کاروبار وغیرہ میں بھی فرائض دیانت داری سے انجام دے کر خدمتِ خلق کر سکتا ہے۔ معاملات میں اچھے طریقے سے پیش آنا، کاروبار ایمان داری سے چلانا اور احترامِ انسانیت کرنا خدمتِ خلق کی اعلا ترین صفات ہیں۔

ہر نیکی کی طرح خدمتِ خلق کے بھی بے حد ثمرات ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایک معمولی سی نیکی کے بدلے بھی انسان کو بخش دیتا ہے۔ حضرت علیؓ کا قول ہے:

"جنت اس شخص کے دیدار کی مشتاق ہوتی ہے جو اپنے مومن بھائی کی حاجت روائی کرتا ہے۔"

لوگوں کے راستے سے پتھر، کانٹے اور رکاوٹیں دور کرنا خدمتِ خلق ہی تو ہے۔

دانش مند احمق

آصف رفیق کامران، کراچی

کہتے ہیں کہ کسی امیر نے ایک آدمی کو ملازم رکھا، جو اپنے احمق پن کی وجہ سے بہت مشہور تھا۔ امیر نے اسے ایک دستی چھڑی دی اور کہا کہ یہ چھڑی تم اس شخص کو دے دینا جو تم سے بھی زیادہ بے وقوف ہو۔ چھے مہینے بعد وہ امیر بہت بیمار ہو گیا۔ اس نے احمق سے کہا میں تم سے رخصت ہو رہا ہوں۔ بے وقوف نے پوچھا، "کب تشریف لائیں گے؟" امیر نے جواب دیا، "میں ایسے مقام پر جا رہا ہوں، جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا۔" احمق نے کہا، "وہاں آپ نے قیام کے لیے کوئی مکان بنوا لیا ہے؟" امیر نے کہا، "نہیں۔" پوچھا، "باورچی خانے اور توشے خانے کا بھی کچھ سامان بھیج دیا ہے؟" امیر نے جواب دیا، "نہیں۔" احمق نے جواب دیا، "جہاں آپ کو تھوڑے دن رہنا تھا وہاں تو آپ نے اتنا اونچا محل بنوایا۔ آرام و آسائش کا اتنا سامان کیا، لیکن جہاں آپ کو ہمیشہ رہنا ہے، وہاں کے لیے کوئی

سامان نہیں بھیجا۔ آپ سے زیادہ احمق مجھے کوئی ملا ہی نہیں۔ یہ دستی چھڑی آپ ہی لے لیجیے۔ ہو سکتا ہے آپ کے کسی کام آئے۔"

عادت

عبدالرحیم، فرنٹیر کالونی، کراچی

ایک شخص کو نہ جانے کیسے بھیک مانگنے کی لت پڑ گئی۔ اس کی بیوی کو جب اس کی اس عادت کا علم ہوا تو وہ اس سے بہت ناراض ہوئی۔ وہ ہر وقت اس کو لعن طعن کرتی رہتی تھی۔ شوہر کو کسی بات کی پروا نہ تھی۔ وہ اپنے دھندے سے لگا رہتا۔ روز گھر میں گھستے ہی بیوی کی جلی کٹی سننے کو ملتی۔ آخر ایک دن جب معاملہ حد سے زیادہ بڑھ گیا تو اس نے بیوی کو پیار سے بلا کر سمجھایا، "نیک بخت! میں روز روز کے ان جھگڑوں اور تیری جلی کٹی باتوں سے تنگ آگیا ہوں۔ مجھے بھی کبھی کبھی خیال آتا ہے کہ تو میری طرف سے اس قدر پریشان رہتی ہے۔ لہٰذا میں نے فیصلہ کیا ہے کہ آئندہ بھیک نہ مانگوں گا اور محنت کر کے کھاؤں گا۔"

بیوی کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ اس نے پوچھا، "سچ بتاؤ! مجھے یقین نہیں آرہا ہے۔" شوہر نے کہا، "یقین کرو ایسی ہی بات ہے، لیکن اس کام کو چھوڑنے کے لیے ایک شرط ہے۔" بیوی جلدی سے بولی، "مجھے تمھاری ہر شرط منظور ہے۔" تب شوہر نے کہا، "تم میرے ساتھ ایک ہفتے تک بھیک مانگو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ ایک ہفتے کے بعد یہ دھندا چھوڑ دوں گا۔" لہٰذا انھوں نے ایک ہفتہ بھیک مانگ کر گزارا کیا۔ وعدے کے مطابق شوہر نے ایک ہفتے بعد اپنی بیوی سے کہا، "نیک بخت! میں وعدے کے مطابق یہ دھندا چھوڑ رہا ہوں۔"

بیوی تنک کر بولی،

"تم چھوڑتے ہو تو چھوڑو۔ میں تو یہ کام نہیں چھوڑ سکتی۔"

عقل مند طالبِ علم

محمد شفیق ناظم، چک آر۔ پانچ

وہ تیزی سے دیوار پر چڑھا اور ایک چھلانگ لگا کر اندر کود گیا۔ نرم نرم گھاس پر گرنے سے دھماکا نہیں ہوا تھا، اس لیے اس طرف کوئی نہیں آیا تھا۔ یہ تو اب ظاہر ہو چکا تھا کہ وہ چور ہے اور چوری کی نیت سے اندر آیا ہے۔ اس وقت وہ ڈاکٹر سلطان محمود کی کوٹھی کے پچھواڑے کھڑا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک کمرے کے دروازے کے سامنے رُکا اور سوراخ سے اندر جھانکنے لگا۔ اندر ایک بارہ سالہ لڑکا مطالعے میں مصروف تھا۔ اس کے سوا اندر کوئی نہیں تھا۔ چور نے مطمئن ہو کر دروازے پر دستک دی۔ وہ لڑکا بستر سے اٹھا اور آکر دروازہ کھول دیا۔ وہ چور اندر داخل ہوا اور اپنے پیچھے دروازہ بند کر کے جب سامنے آیا تو اس کے ہاتھ میں خنجر چمک رہا تھا۔

"خبردار! اگر ذرا بھی آواز نکالی تو یہ خنجر سینے میں گھونپ دوں گا۔" اندر آنے والے نے سخت لہجے میں اس لڑکے کو حکم دیا۔

"ٹھٹ ٹھیک ہے۔ ج جناب، لیکن میں جب سونے لگتا ہوں تو زور سے ساتھ والے کمرے میں ابّو جی کو شب بخیر کہہ کر سوتا ہوں۔ اگر اس طرح خاموش بیٹھا رہا تو والد صاحب ادھر آجائیں گے۔" لڑکے نے اسے بتایا۔

"ٹھیک ہے۔ تم زور زور سے پڑھتے رہو اور غلط حرکت نہ کرنا۔" یہ کہہ کر وہ چور کمرے کی تلاشی لینے لگا۔ لڑکا پھر زور زور سے پڑھنے لگا۔ اچانک اسے ایک ترکیب سوجھی۔ اس نے چور سے پوچھا، "تم پڑھے لکھے ہو تو مجھے ان الفاظ کے معنی بتادو۔" ڈاکو نے کہا، "نہیں میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔" پھر وہ لڑکا زور زور سے انگریزی میں کچھ پڑھنے لگا، جس کی آواز دوسرے کمرے میں پہنچ سکتی تھی۔ وہ الفاظ یہ تھے "ابّو جی! جلدی سے پولیس کو بلائیں۔ میرے کمرے میں ایک خطرناک چور ہے۔" دو تین بار یہ الفاظ دہرا کر وہ پھر اپنا سبق یاد کرنے لگا۔ اسی طرح وقفے وقفے سے وہ یہ کہتا رہا۔ تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد جب وہ چور قیمتی چیزیں سمیٹ کر دروازہ کھول کر باہر نکلا تو پولیس نے اسے حراست میں لے لیا۔ بعد میں پتا چلا کہ وہ شہر کا خطرناک مجرم جوگو ہے، جس نے تین قتل کیے تھے۔ اس طرح ایک لڑکے کی ذہانت سے ایک خطرناک مجرم پکڑا گیا۔ اس لڑکے کو حکومت کی طرف سے بہت سا انعام اور تعریفی سندیں ملیں۔

یہ بس کہاں جا رہی ہے؟

نثار حیدر عباس اور قرۃ العین عینی، لاہور کینٹ

وہ کسی بہانے فوج سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے کئی ماہ تک اس پر غور کیا اور آخر اسے ایک ترکیب سوجھ گئی۔ وہ ڈاکٹر کے پاس پہنچا، اور کہنے لگا:

"ڈاکٹر صاحب! میری نظر خراب ہو چکی ہے، بالکل کام نہیں کرتی۔"

"اس کرسی پر بیٹھ جاؤ اور پھر تفصیل سے تمھاری بات سنتا ہوں۔"

"کون سی کرسی؟"

ڈاکٹر نے اسے بازو سے پکڑ کر ایک کرسی پر بٹھا دیا اور پوچھا، "کیا تمھیں کرسی نظر نہیں آتی؟"

"نہیں جناب۔"

ڈاکٹر نے دیوار پر لگے ہوئے چارٹ کی طرف اشارہ کر کے کہا: "پانچویں سطر پڑھو۔"

"کہاں سے پڑھوں؟"

"چارٹ کی طرف دیکھو۔"

"کون سا چارٹ؟"

"وہی چارٹ جو سامنے دیوار پر لٹک رہا ہے۔"

"لیکن دیوار کہاں ہے؟"

یہ دیکھ کر ڈاکٹر کو یقین ہو گیا کہ اس کی بصارت ختم ختم ہو چکی ہے اور اسے فوج سے ہمیشہ کے لیے چھٹی دے دی۔ وہ بہت خوش ہوا۔ باہر نکل کر اس نے زور سے قہقہہ لگایا اور نزدیک ہی ایک سینما ہاؤس میں فلم دیکھنے چلا گیا۔

جب فلم ختم ہوئی تو وہ حیران رہ گیا۔ وہ ڈاکٹر جس نے اسے نگاہ کی کم زوری کی وجہ سے چھوڑ دیا تھا، اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ ڈاکٹر نے اسے دیکھتے ہی پہچان لیا۔ لیکن اس نے کسی قسم کی گھبراہٹ کا اظہار کیے بغیر کہا، "کیوں صاحب! یہ بس کہاں جا رہی ہے؟"

صبر و قناعت

عشرت جہاں، کراچی

بہت پرانے زمانے کی بات ہے کہ ایران کے شہر تہران میں ایک تاجر رہتا تھا۔ وہ اپنی بیوی کے ساتھ بڑی خوش و خرم زندگی بسر کر رہا تھا۔ ان کے پاس اللہ کا دیا ہوا سب کچھ تھا، مگر وہ اولاد کی نعمت سے محروم تھے۔ وہ دن رات اللہ تعالیٰ سے اولاد کے لیے دعا کرتے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا سُن لی۔ ایک چاند سی لڑکی گھر میں پیدا ہوئی۔ اس کی بیوی بہت خوش ہوئی مگر تاجر کو زیادہ خوشی نہ ہوئی۔ اس کی خواہش تھی کہ لڑکا پیدا ہوتا جو بڑا ہو کر اس کے کاروبار اور تجارت میں ہاتھ بٹاتا۔ تاجر کی بیوی اس کی بہت اچھے طریقے سے پرورش کر رہی تھی۔ وہ اسے ہر وقت اپنی نگاہوں کے سامنے رکھتی، مگر تاجر لڑکی کو زیادہ محبت نہ دیتا تھا۔

کچھ دنوں بعد تاجر کا شکار کا پروگرام بنا۔ وہ اپنے نوکر کے ساتھ شکار کا ضروری سامان لے کر جنگل کی طرف نکل گیا۔ وہ جب جنگل میں پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک جھونپڑی میں ایک فقیر آگ جلا کر عبادت میں مصروف ہے۔ تاجر بھی اس کے قریب بیٹھ گیا۔ فقیر نے عبادت سے فارغ ہو کر تاجر سے کہا، "تو یہاں کس مقصد کے لیے آیا ہے؟" تاجر اس کی عبادت سے بہت متاثر ہو گیا تھا۔ اس نے کہا کہ میرے گھر میں اولاد نہیں تھی۔ بہت عرصے بعد ایک لڑکی پیدا ہوئی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے گھر میں لڑکا بھی ہو جو میری دولت کا وارث بنے۔

اس فقیر نے تاجر کی تمام بات سنی اور کہا کہ اس لڑکی کو جو تمھارے گھر میں پیدا ہوئی ہے رات کو جھونپڑی میں لے کر آجانا۔ اس کے وزن کے برابر سونا بھی ساتھ لانا۔ اس کو جادو کے زور سے لڑکا بنا دوں گا۔ تاجر اس کی باتوں میں آ کر لڑکی اور سونا لے کر اس کے پاس آگیا۔ فقیر نے کہا، "لڑکا صبح کو لے جانا۔"

تاجر نے رات مشکل سے کاٹی۔ صبح اُٹھ کر جب وہ لوگ اس فقیر کی جھونپڑی کی طرف گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں پر نہ جھونپڑی ہے، نہ فقیر ہے اور نہ اس کا کوئی نشان ہے۔

دراصل وہ آدمی فقیر نہیں تھا، بلکہ وہ فقیر کے روپ میں ڈاکو تھا، جو صبح ہونے سے پہلے تمام سونا اور لڑکی لے کر وہاں سے فرار ہو گیا تھا۔ لڑکی کے غم میں ماں بھی مر گئی اور تاجر بھی پاگل ہو گیا۔ اگر وہ تاجر اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت پر صبر و قناعت کرتا تو یہ دن دیکھنے نصیب نہ ہوتے۔ ہمیں اللہ کے دیے ہوئے پر صبر و شکر کرنا چاہیے۔

بس کا حال

تُرنم جان، کراچی

یہ بس اسٹاپ ہے، مگر ضروری نہیں کہ بس یہاں

ہی اسٹاپ ہو جائے، بس آگے بھی جاکر اسٹاپ ہو سکتی ہے۔ ویسے بس اسٹاپ کی ایک نشانی یہ ہے کہ جہاں آپ کو بہت سے لوگوں کا ہجوم لگا ہوا نظر آئے وہاں ضرور کوئی بس اسٹاپ ہوگا۔ اور اگر تلاش کریں تو کہیں پر ایک ٹوٹا پھوٹا شکستہ حال بورڈ نظر آئے گا، مگر آپ اس کو پڑھنے کی کوشش نہیں کریں تو بہتر ہے، کیوں کہ اس بورڈ پر اب "بس اسٹاپ" نہیں لکھا ہوگا، بلکہ سیاسی جلسے جلوسوں کے اشتہارات چپکے ہوئے ہوں گے۔ دائیں بائیں کوئی موچی یا پھل والا چھابڑی لگائے بیٹھا ہوگا۔ اگر یہ دونوں نہیں تو پھر کوئی فقیر کشکول لیے بیٹھا ہوگا۔

بہت انتظار کے بعد دور سے ہی دھوئیں کا غبار نظر آئے گا۔ جسے دیکھ کر سب لوگوں میں ہل چل مچ جائے گی اور جوں ہی یہ غبار قریب آئے گا، تو آپ غور سے دیکھیے۔ اس میں چھپی ہوئی بس آپ کو نظر آجائے گی۔ یہ بس اسٹاپ سے گزر کر بہت آگے جاکر رُکے گی، پھر سب لوگ بُری طرح بس کی طرف دوڑیں گے اور بہت مشکل سے گرتے پڑتے بس میں چڑھیں گے۔ کسی کے بچے چڑھ جائیں گے تو ماں رہ جائے گی۔ کسی کی ماں چڑھ جائے گی تو بچے رہ جائیں گے۔ کوئی خود چڑھ جائے گا تو کپڑے رہ جائیں گے، یعنی شال، ٹوپی، برقعہ وغیرہ وغیرہ۔

پھر اللہ اللہ کرکے بس چلے گی اور ایسی چلے گی کہ رُکے گی نہیں۔ آپ چیخ چیخ کر پاگل ہو جائیں گے، مگر بس نہیں رُکے گی، بلکہ تیز گام کی طرح اپنی منزل کی طرف دوڑتی رہے گی اور اتنی اچھلے گی کہ آپ کو شبہ ہونے لگے گا کہ کہیں آپ چاند پر تو نہیں پہنچ گئے۔ مگر آپ بے فکر رہیے بس چاند پر نہیں، بلکہ سڑک پر ہی دوڑ رہی ہے۔ جب بس اپنی منزل پر پہنچ کر رُکے گی تو آپ کو بہت زور کا جھٹکا لگے گا۔ آپ کو اپنی ہڈیاں پسلیاں ٹوٹتی ہوئی محسوس ہونے لگیں گی۔ لیکن آپ پریشان نہ ہوں آپ کی سب ہڈیاں پسلیاں سلامت ہیں مگر یہ آپ کے حلیے کو کیا ہو گیا؟

ارے آپ تو چشمہ لگائے ہوئے تھے۔ آپ کا چشمہ کہاں گیا؟ اور آپ اپنے جوتے کیوں ہاتھ میں لیے ہوئے ہیں؟ ارے..... ارے یہ کیا بھئی؟ آپ کی قمیص کہاں گئی؟ چلیے کوئی بات نہیں! مگر یہ کیا آپ چل کس طرح رہے ہیں۔ بس میں سفر کرنے سے پہلے تو آپ ذرا بھی نہیں لنگڑاتے تھے۔

بس میں سفر کرنے کا حشر دیکھ لیا آپ نے؟ کہیے اب کیا خیال ہے؟

اپنا دکھ

بشریٰ رؤف، کراچی

وہ کافی دیر سے بس کے انتظار میں کھڑا تھا۔ سورج کی تپش اور تھکن سے اس کا حال بُرا تھا۔ دن کے دو بجے تھے۔ اس نے اپنے اطراف کا جائزہ لیا تو دیکھا کہ اس کی طرح کئی طلبہ اور دیگر افراد بھی بس کے انتظار میں کھڑے تھے۔

اس کا گھر کالج سے بہت دور تھا۔ اس لیے اسے دو بسیں بدل کر گھر جانا ہوتا تھا۔

آخر دور سے ایک دھواں چھوڑتی بس آتی نظر آئی۔ بس کو دیکھ کر سب کے چہرے کِھل اٹھے۔ جوں ہی بس قریب آئی۔ اسٹاپ پر کھڑے تمام افراد بس کی طرف لپکے۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے کراچی میں صرف یہی ایک بس ہے۔ وہ بھی لوگوں کی دھکا پیل میں خود بخود بس میں چڑھ گیا۔ بس بہت زیادہ بھری ہوئی تھی۔ تِل دھرنے کی جگہ بھی نہیں تھی۔ دھوئیں اور شور دغل سے سر پھٹا جا رہا تھا۔ اگلے اسٹاپ پر بس رُکی اور رَش کچھ کم ہوا۔ لیکن بس کی سیٹیں اب بھی بھری ہوئی تھیں۔ بیٹھنے کی جگہ پھر بھی نہیں تھی۔ اتنے میں ایک شخص بس میں داخل ہوا۔ وہ کچھ بیمار معلوم ہوتا تھا۔

اس نے سوچا کہ یہ کیسے نوجوان ہیں جنھیں اتنا بھی خیال نہیں کہ ایک معمر شخص ان کی سیٹوں کے پاس کھڑا ہے اور وہ اپنی سیٹیں بھی نہیں چھوڑ سکتے۔ یہ سوچ کر اس نے ایک لڑکے سے کہا، "بھائی ذرا اپنی سیٹ چھوڑ دو تاکہ یہ ضعیف شخص آرام سے سفر کر سکے۔" لڑکے نے اس کی طرف ناگواری سے دیکھا اور بولا، "اس بس میں اکیلا میں ہی آپ کو نظر آیا ہوں۔ کسی اور سے کیوں نہیں کہتے؟"

لڑکے کی بات سن کر وہ معمر شخص بولا،

"رہنے دو بیٹا! مجھے زیادہ دور نہیں جانا۔ میں کھڑے ہو کر بھی جا سکتا ہوں۔"

یہ بات سن کر وہ خاموش ہو گیا۔ جب بس اس کے مطلوبہ اسٹاپ پر رُکی تو وہ بس سے اتر گیا۔ تھوڑے انتظار کے بعد اس کی دوسری بس آ گئی اور وہ اس میں سوار ہو گیا۔ یہ بس اس وقت زیادہ بھری ہوئی نہیں تھی اس لیے اس کو آسانی سے سیٹ مل گئی۔

لیکن اگلے اسٹاپ پر چوں کہ بس کے انتظار میں لوگوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی، اس لیے بس بھر گئی۔ ان میں ایک باریش شخص بھی داخل ہوئے۔ بس چوں کہ بھر چکی تھی اس لیے انھیں بھی سیٹ نہیں ملی۔ انھوں نے اس کو امید بھری نظروں سے دیکھا لیکن شاید وہ بھی عام انسانوں کی طرح ہو گیا تھا۔ جب تک وہ خود کھڑا تھا تو اسے دوسروں کی تکلیف کا احساس تھا، لیکن شاید اب نہیں رہا۔

اس نے سوچا کہ وہ کافی دیر سے کھڑا تھا اب وہ بیٹھ کر ہی سفر کرے گا۔ یہ سوچ کر اس نے جلدی سے منھ پھیر لیا۔

لیکن یہ دیکھ کر اسے حیرت ہوئی کہ ایک اسکول کے نوعمر طالب علم نے اپنی سیٹ ان بزرگ کے لیے چھوڑ دی ہے۔

کوٹھری کا بھوت

وقار احمد تربیلوی، تربیلہ ٹاؤن شپ، ہزارہ

جب میری آنکھ کھلی تو میں نے اپنے سامنے آپا جان کو کھڑے دیکھا۔ وہ کہہ رہی تھیں، "ارے انور! سنو تو یہ آوازیں کیسی ہیں؟" میں نے کان کھڑے کیے تو ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی درد سے کراہ رہا ہو۔ "اونہہ۔ اونہہ۔ ہوں۔ ہوں۔" میں ایک دم چارپائی سے کود کر اٹھا اور ابا جان کی چارپائی پر دھم سے گرا۔ ابا جان گھبرا کر اٹھ بیٹھے اور

بولے "کیا بات ہے انور بیٹے؟" "بھ بھ بھ بھوت" میں نے کانپتے ہوئے کہا۔ اتنے میں امی جان کی آنکھ بھی کھل گئی۔ "انور کہتا ہے اوپر چھت پر کوئی بھوت ہے۔" امی جان بولیں، "ہے ہے میں نہ کہتی تھی کہ کوٹھری میں ضرور کوئی آسیب ہے۔"

ہم چھت پر پہنچے۔ چھت پر صرف وہی کوٹھری تھی۔ اچانک کوٹھری سے آواز آئی، "غرررر" امی جان لرز کر بولیں، "ہے اللہ کو مانو، ضرور کوئی نہ کوئی بھوت ہے۔" ابا جان نے کہا کہ صبح اس کوٹھری کو دیکھیں گے۔ ہمیں اس گھر میں آئے تیسرا دن تھا۔ صبح ہوئی تو امی جان نے کہا کہ صفائی کرنے سے پہلے کسی مولوی صاحب کو بلوا کر بھوتوں کو نکالو۔ آپا جان پریشان اور میرا اور امی کا خوف کے مارے برا حال تھا۔ دوسرے دن ابا جان ایک صاحب کو لے آئے۔ انھوں نے ایک مرغا حلال کیا اور دس روپے نذرانہ لے کر چلے گئے۔ رات کو ہوا چلنے کے ساتھ ہی پھر وہ آوازیں آنے لگیں۔ آپا جان بولیں، "اے امی! وہ بھوت نہیں کوئی بھوتنی ہوگی۔" امی جان غصے سے بولیں، "اے چل نگوڑ ماری۔"

دوسرے دن اپنے اسکول میں، میں نے اردو کے ایک استاد کو یہ حال سنایا۔ انھوں نے شام کو ہمارے گھر آنے کا وعدہ کیا۔ وہ شام کو آئے۔ ہم ان کو لے کر اوپر کوٹھری کے سامنے لے گئے۔ اس وقت ہوا چل رہی تھی۔ انھوں نے ایک دم دروازہ کھول دیا اور جو آوازیں آرہی تھیں بند ہوگئیں۔ انھوں نے دروازہ بند کیا تو پھر آوازیں آنے لگیں۔ اب ماسٹر صاحب نے غور سے جو دروازے کی درزوں میں دیکھا تو کھلکھلا کر ہنس پڑے اور بولے، "لو بھئی تمھارا بھوت پکڑا گیا۔" ماسٹر صاحب نے کہا کہ ان درزوں میں مکڑیوں نے جالے بُن رکھے ہیں۔ جب ہوا ان کواڑوں سے گزر کر مکڑی کے جالوں سے ٹکراتی ہے تو ایسی آوازیں پیدا ہوتی ہیں۔ شام کو ابا جان واپس آئے۔ ان کو یہ ماجرا بتایا تو وہ بہت خوش ہوئے۔

جورا اور ہاتھی

مترجم: عسکری حیدر

دور دراز کے ایک ملک میں ایک جنگل تھا۔ اس جنگل میں ایک لڑکا اپنی ماں کے ساتھ رہتا تھا۔ اس کو کتابیں پڑھنے کا بہت شوق تھا، اتنا شوق کہ جب وہ کتاب پڑھ رہا ہوتا تو اسے اپنے آس پاس کی کچھ خبر نہ ہوتی تھی۔ اگر اس وقت اس کے کان پر باجا بھی بجا دیا جاتا تو اس کی محویت ختم نہ ہوتی۔ اس کی ماں اس کی اس عادت سے پریشان تھی۔ وہ سوچتی تھی کہ ایسے آدمی کو کون ملازمت دینا پسند کرے گا، جس کی نظریں ہر وقت کتاب پر رہیں۔ اسے اپنے بیٹے کی مستقبل کی بڑی فکر تھی۔ ادھر جورا دن رات بس کتابیں پڑھنے میں لگا رہتا تھا۔ پتا نہیں وہ اتنی ساری کتابیں کہاں سے لاتا تھا۔

ایک روز جورا بازار سے کتابیں خرید کر لا رہا تھا۔ چلتے چلتے راستے میں اس نے کتاب پڑھنی شروع کر دی۔ حسبِ معمول وہ اپنے گرد و پیش سے بے خبر تھا۔ اسی بے

بے خبری میں چلتے چلتے وہ بادشاہ کے محل کے قریب پہنچ گیا۔

بادشاہ کے محل میں آج دعوت تھی۔ چناں چہ محل کے تمام ملازمین اور چوکیدار وغیرہ سب کام میں مصروف تھے۔ جورا کتاب پڑھتے ہوئے محل کے اندر گھستا چلا گیا اور باغ میں پہنچ گیا۔ یہاں پہنچ کر اس نے نظر اُٹھائی تو بہت خوب صورت منظر دیکھا۔ باغ بے حد خوب صورت تھا۔ چناں چہ وہ باغ کے بالکل بیچ میں کھڑے ہو کر کتاب پڑھنے میں مصروف ہو گیا۔ اس باغ میں آج بادشاہ نے دعوت کا انتظام کیا تھا۔ وہیں پر بادشاہ اور ملکہ انتظامات کا جائزہ لینے میں مصروف تھے۔ جورا جہاں کھڑا ہوا تھا اُس جگہ بادشاہ کو کھڑے ہو کر تقریر کرنی تھی۔

بادشاہ اور ملکہ جُورا کو دیکھ کر آگ بگولا ہو گئے۔ بادشاہ چیخ کر بولا، "یہ کون ہے؟ یہاں کیوں آیا ہے؟ اس بدتمیز اور بے ادب کو دھکّے دے کر باہر نکال دو۔"

فوراً ہی ایک چوکیدار آگے بڑھا تاکہ جورا کو اٹھا کر پھینک دے، مگر جورا کی محویت میں فرق نہ آیا۔ اچانک ایک چنگھاڑ سنائی دی، جس کو سن کر ہر شخص اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔ مگر جورا کی حالت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ ایک ہاتھی اپنے غول میں سے نکل کر سیدھا محل میں آگھسا تھا۔ وہ دوڑتا ہوا باغ میں آیا اور اس نے جورا کو سونڈ میں پکڑ کر اٹھا لیا اور چاہا کہ اسے پٹخ دے، مگر جورا کی بے خبری دیکھ کر وہ یہ سمجھا کہ یہ شخص کوئی جادوگر ہے، جو خوف زدہ نہیں ہوا۔ ہاتھی اس سے ڈر گیا۔ اس نے آہستہ سے جُورا کو زمین پر کھڑا کیا اور سُست قدموں سے باہر نکل گیا۔ بادشاہ نے جو یہ دیکھا تو آگے بڑھ کر جورا کو گلے سے لگا لیا اور اس کا شکریہ ادا کرنے لگا کہ اس نے اتنے آدمیوں کو کچلنے اور مرنے سے بچا لیا، حال آنکہ جورا کو خبر بھی نہ تھی۔ اس "کارنامے" کے صلے میں جورا کو چیف لائبریرین بنا دیا گیا، جہاں جورا کو اس کا پسندیدہ ماحول مل گیا۔

ہماری زمین

عائشہ قیوم، اسلام آباد

کوئی نہیں جانتا کہ زمین کب بنی تھی۔ غالباً پانچ ہزار ملین سال پہلے یہ گردش کرتی ہوئی گیسوں کا ایک بہت بڑا ڈھیر تھا، جو آہستہ آہستہ سکڑنا شروع ہوا۔ جو چیزیں سب سے بھاری تھیں وہ آہستہ آہستہ اس ڈھیر کے مرکز میں چلی گئیں اور زیادہ ہلکی چیزیں باہر کی طرف آگئیں۔ بھاری دھاتوں کی حرکت، ریڈیائی، تابکاری کے اثر، ایک دوسرے سے رگڑتی ہوئی بھاری بھاری چٹانوں کے زبردست دباؤ اور کشش ثقل سے حرارت پیدا ہوتی ہے۔ اسی حرارت نے زمین کو موجودہ شکل دی۔ سخت گرمی اور دباؤ کے پیدا ہونے سے پگھلی ہوئی چٹانیں اور گیسیں اُبل رہی ہیں۔ زمین میں جہاں کہیں نرم جگہ یا شگاف ہوں، وہاں سے کبھی کبھی یہ پگھلی ہوئی چٹانیں باہر نکل آتی ہیں۔ اسے لاوا کہتے ہیں۔

ہماری زمین کے اندر کیا ہے؟

سیب کے دو ٹکڑے کیجیے۔ سیب کے مہین چھلکے کو زمین کی اوپر والی پرت کہہ سکتے ہیں۔ اس پرت کی موٹائی اوسطاً ۳۲ کلو میٹر ہے۔ اس چھلکے کے نیچے سیب کا نرم رسیلا

گودا ہے۔ زمین کی اوپر والی پرت کے نیچے پگھلی ہوئی چٹانیں (لاوا) اور گیسیں ہیں۔ سیب کے بیجوں کے آس پاس ایک سخت خول ہے۔ یہ زمین کے اندر پلاسٹک کے بیرونی خول سے ملتا جلتا ہے۔ سیب کے درمیانی حصّے میں بیج ہوتے ہیں۔ اس حصّے کو زمین کے درمیانی حصّے کی طرح سمجھا جاسکتا ہے، جس میں بھاری اور ٹھوس چیزیں ہیں۔

آتش فشاں

پچاس سال بے حرکت رہنے کے بعد غرب الہند کے ایک جزیرہ مارتی نیق کا آتش فشاں پہاڑ (مونٹ پیلی) پھٹ پڑا۔ سرخ پگھلے ہوئے پتھر اور گیسیں پہاڑ کی چوٹی سے پھٹ پڑیں اور سینٹ پیئری کے قصبے پر آگ برسنے لگی۔ ہزاروں گھر، دکانیں، کھیت، بازار اور میدان مٹ گئے۔ یہ ۱۹۰۲ء کا واقعہ ہے۔ اس دن کوئی تیس ہزار آدمی لقمۂ اجل ہوئے۔ صرف ایک آدمی بچا۔ آتش فشاں صرف تباہی نہیں مچاتے۔ ان سے ایسی راکھ نکلتی ہے جس میں دھاتیں ہوتی ہیں۔ اٹلی میں آتش فشاں کی حرارت سے بجلی پیدا کرنے والے جنریٹر چلتے ہیں۔

زلزلے

کیلے فورنیا (امریکا) کے آر پار ۹۶۰ کلو میٹر تک زمین میں بہت بڑا شگاف ہے، جسے سان اینڈ ریاس فالٹ کہتے ہیں۔ ۱۹۰۶ء میں ان پلیٹوں میں کھچاؤ ہوا جس سے زلزلہ آگیا۔ اس سے زمین پھیلی پھر دوہری ہوئی اور مُڑ تُڑ گئی۔ زبردست آگ لگی اور شہر سان فرانسسکو راتوں رات تباہ ہوگیا۔

وادیاں کیسے بنتی ہیں؟

دو پہاڑوں کے درمیان کی زمین کو وادی کہتے ہیں۔ سیدھی ڈھلوان دیواروں والی وادیاں، جن میں انگریزی کے حرف "وی" کی شکل کے نالے ہوتے ہیں دریاؤں سے بنتی ہیں۔ جن وادیوں کو گلیشیر (برف کے تودے) بناتے ہیں، ان کی دیواریں ترچھی ہوتی ہیں اور ندیاں انگریزی کے حرف "یو" کی شکل کی ہوتی ہیں۔ دریاؤں کی تہوں والی وادیاں پہاڑوں پر بارش پڑنے سے بنتی ہیں۔ بارش کا پانی تالابوں اور جھیلوں میں جمع ہوجاتا ہے پھر وہ ٹھنڈا ہوکر چشموں کی شکل میں، پہاڑ سے نیچے بہنے لگتا ہے۔ پانی کے لگاتار گرنے سے زمین گھستی رہتی ہے اور کچھ عرصے بعد دریا کی تہ اور پھر وادی بن جاتی ہے۔ اسے کٹاؤ کا عمل کہتے ہیں۔

برمودا ٹرائینگل

محمد سہیل خان

کیا آپ جانتے ہیں کہ برمودا ٹرائینگل (BER MUDA TRIANGE) کیا ہے؟ برمودا ٹرائینگل، برمودا کے پاس سمندر میں ایک پُراسرار علاقے کا نام ہے۔ یہ کافی بڑا ہے اور سمندر کے پانی پر ہی ہے۔ جو چیز بھی اس کی حدود میں آتی ہے۔ غائب ہوجاتی ہے۔ اس طرح کہ اس کا نام و نشان تک نہیں ملتا۔ اب تک ہزاروں آدمی، سینکڑوں ہوائی جہاز، بحری جہاز اس طرح

ڈوب کر غائب ہو چکے ہیں کہ آج تک ان کا نام و نشان تک نہ مل سکا اور نہ ان کے بارے میں کوئی تفصیلات معلوم ہو سکیں۔ برمودا ٹرائینگل کے آس پاس جزائر، شمالی امریکا کا جنوبی ساحل، کیوبا، ہیٹی اور پیٹریکو کے جزائر ہیں۔

دنیا کے بہت سے سائنس داں اور محقق اس پُر اسرار اور حیرت انگیز مسئلے کو حل کرنے کی سوچ بچار میں کافی عرصے سے مصروف ہیں اور کئی سو سالوں کی کوششوں کے بعد بھی انھیں اس میں کام یابی حاصل نہیں ہو سکی ہے۔ پہلے تو سمندر میں اس حدود میں آنے والے بحری جہاز ہی ڈوبتے تھے لیکن ہوائی جہاز ایجاد ہونے کے بعد جو بھی ہوائی جہاز ان حدود سے اُڑتا ہوا گیا، وہ بھی غائب ہو گیا۔ اور سب سے حیرت انگیز بات یہ ہے کہ سینکڑوں بحری جہاز اور ہوائی جہاز اس طرح ڈوب کر غائب ہوئے ہیں کہ کسی کا نام و نشان تک نہیں ملا۔

جہاز کے کسی جگہ ڈوبنے کے بعد سطح پر لکڑی کے ٹکڑے، کاغذ، کپڑے اور دیگر چیزیں ملتی ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ڈوبنے والے جہاز کے انجن کا تیل جو بطور ایندھن استعمال ہوتا ہے، میلوں تک سطح سمندر پر پھیل جاتا ہے، کیوں کہ تیل پانی سے ہلکا ہوتا ہے اور کبھی نیچے نہیں جاتا۔ لیکن اس علاقے میں ڈوبنے والے جہازوں کے تیل کا سطح سمندر پر کوئی نام و نشان تک نہ ملا اور نہ کسی اور چیز کا۔ اب تک کئی سائنس دانوں نے قیاس آرائیاں کی ہیں لیکن وہ سب مختلف آرا ہیں۔ کوئی بات اب تک حتمی طور پر معلوم نہیں کی جا سکی۔ اور اتنی سائنسی ترقی کے باوجود اس کا کوئی سراغ نہیں لگایا جا سکا ہے۔

چچا اچھن اور ہم

سید انتصار حسن، ملیر ہالٹ، کراچی

کہتے ہیں کہ "مصیبت کبھی بتا کے نہیں آتی"۔ ہم جب کوئٹہ سے واپس کراچی آئے تو گھر پہنچتے ہی یہ روح فرسا خبر سنی کہ ہمارے چچا اچھن کل ہی لمبے قیام کے ارادے سے آئے ہوئے ہیں۔ یہ خبر سن کر ہمارے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے، کیوں کہ ہم بھی اس دفعہ لمبی چھٹیوں پر گھر آئے تھے۔ خیر صاحب شکر ہے کہ جس وقت ہماری تشریف آوری ہوئی موصوف گھر پر موجود نہ تھے۔ اس لیے ہمیں سفر کی تھکن اتارنے کا پورا پورا موقع مل گیا۔ مگر صاحب بکرے کی ماں کب تک خیر مناتی۔

سو جب ہم شام کو بڑی خوشی میں گھر سے باہر نکل رہے تھے کہ دوستوں سے مل آئیں تو صاحب ایک پاؤں دروازے کے اندر اور ایک باہر تھا، سامنے ہی چچا اچھن کا چہرہ جلوہ افروز تھا۔ "ارے، ہائے ہائے، اف مر گیا، بس چچا بخش دیں۔" جی ہاں یہ آوازیں ہماری ہی تھیں جو چچا کے والہانہ انداز میں ملتے ہوئے ہمارے جسم کو بھینچنے سے نکل رہی تھیں۔ چچا بالکل دھان پان سے ہیں مگر ان کی گرفت کا اندازہ پہلی بار ہوا بقول ان کے کہ ان کا پکڑا ہوا بندہ کبھی پانی نہیں مانگتا۔ خیر صاحب وہ شام تو برباد ہو گئی، کیوں کہ وہ نشست چچا اچھن نے اپنے نام مخصوص کرالی۔ کوئٹہ کا حال، موسم، سفر، غرض ہر موضوع پر بات کرنے

اور مکمل تحقیقات کرنے کے بعد فرمانے لگے،

"وہ تو سب ٹھیک ہے، بیٹے! مگر یہ تو بتاؤ تم وہاں کرتے کیا ہو؟"

"جی میں وہاں ریل گاڑی کے پہیے میں پنکچر لگاتا ہوں۔" ہم نے بے حد جل بھُن کر جواب دیا۔

"لاحول ولا قوۃ، اماں یعنی کہ باپ دادا کا نام ڈبو رہے ہو۔ ہیں یعنی کہ پنکچر لگاتے ہو اور وہ بھی ریل گاڑی میں۔ اماں ہم تو اب تک یہ سمجھتے تھے کہ تم وہاں تعلیم حاصل کر رہے ہو۔" چچا نے ہماری کھنچائی شروع کر دی۔

"ارے چچا! پڑھ ہی تو رہا ہوں وہاں، آپ کو معلوم تو ہے۔ پھر بھی پوچھ رہے ہیں۔" ہم نے بلبلا کر کہا۔

"ارے ہاں بھتیجے! ذرا یادداشت کم زور ہو گئی ہے یاد ہی نہیں رہتا نا!"

"ہاں چچا! عمر بھی تو بہت ہو گئی ہے نا آپ کی اور ویسے بھی آپ اب بونس پر ہی چل رہے ہیں۔"

"کیا مطلب ہے تمھارا بونس سے؟" چچا بڑے غصے سے بولے۔

"وہ چچا! میرا مطلب ہے کہ ریٹائر ہو گئے ہیں نا! تو اب پنشن پر گزارا کرتے ہیں۔"

"ہاں بھئی یہ تو ہے۔ بھئی کیا زمانے تھے وہ بھی......" چچا نے آنکھیں موند لیں اور گزرے ہوئے دنوں کے نئے پرنٹ بنا کر ذہن کے پروجیکٹ پر چلانا شروع کر دیا۔ ہم کو موقع مل گیا اور چشم زدن میں ہم گھر سے باہر تھے۔ رات کو ٹی وی پر ڈراما آ رہا تھا۔ سب بیٹھے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ ایک موقع پر ڈرامے کے ایک کردار نے کہا، "الکمونیہ میں تو ایسا نہیں ہوتا۔" ہم نے چچا سے کہا، "چچا! یہ شخص الکمونیہ میں رہتا ہے۔"

"جھوٹ بولتا ہے یہ بالکل۔" چچا ایک دم چلائے۔

"کیوں، کیوں، چچا! آپ کو کیسے پتا چلا کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے؟"

"بھئی، ہم نے اسے کبھی الکمونیہ میں نہیں دیکھا۔" چچا نے اطمینان سے جواب دیا۔

"چچا آپ الکمونیہ گئے ہیں؟" "ہاں ہاں سردس کے دنوں میں پورے دس سال وہاں قیام رہا تھا۔ اس لیے ایک ایک کو جانتا ہوں۔ ہائے کیا دن تھے وہ بھی۔ بس پھر وہاں سے چلے آئے۔"

"کیوں کیا قرضہ واپس مانگنا شروع کر دیا تھا، الکمونیہ والوں نے؟"

"کیا بکواس کرتا ہے یہ اُلو! سیدھی چپ ہو کر ڈراما دیکھ۔" چچا گرم ہو گئے۔

ہم تو کوئٹہ سے آئے تھے کہ آرام سے چھٹیاں گھر پر بسر کریں گے مگر ہائے ری قسمت کہ آرام ہمارے نصیب میں کہاں۔ آدھی رات تک چچا اچھن کے جسم کو دباتے رہو۔ کبھی سر کی مالش کرنا، کبھی ان کے ساتھ بیٹھ کر ان کے بیتے ہوئے ماضی کے کارنامے سننا اور کبھی ان کے ساتھ پارک میں چھتیس چکر لگانا کہ یہ صحت کے لیے ضروری ہے۔

ایک دن ہم پارک گئے تو ہم نے ائیرگن بھی لے لی

کر چچا پارک کے چکر لگاتے رہیں گے اور ہم آرام سے نشانہ بازی کریں گے۔ خیر صاحب پارک میں پہنچ کر ہم نے مناسب فاصلے پر ایک لکڑی گاڑی اور ایئر گن لے کر بیٹھ گئے کہ چلو جی اچھا شغل رہے گا۔ دفعتاً کندھے پر ایک زوردار ہاتھ پڑا۔ "اچھا تم ایئر گن اس لیے لائے تھے۔ ہوں، بہت اچھا ہے۔"

"نہیں جی یہ تو اس لیے ہم لائے تھے کہ اس کے سہارے سے چلیں گے۔ بھئی نشانہ بازی کے لیے لائے ہیں اور کس لیے۔"

"اچھا اچھا اب چپ رہو اور ہمارا نشانہ دیکھو۔"

چچا نے نشانہ باندھ کر فائر کیا مگر نشانہ خطا..... ہمیں ہنستا دیکھ کر چچا جلدی سے بولے،

"ارے بھئی اس طرح ہمارے دادا جان نشانہ لگاتے تھے۔"

دوسرا فائر بھی خطا گیا تو چچا کھسیا کر بولے،

"اور یہ۔ یہ ہمارے والد صاحب کا نشانہ تھا۔"

تیسرے فائر سے قبل ہی زور کی ہوا چلی اور لکڑی تو لکڑی چچا بھی زمین بوس ہو گئے۔ ہڑبڑا کر اٹھے تو لکڑی کو گرا ہوا دیکھ کر بھول گئے اور نعرہ لگا کے چلّائے

"دیکھ لیا، اماں! دیکھ لیا۔ تم نے ہمارا نشانہ، ہیں۔"

بس ہمارا موڈ آف ہو گیا اور پھر ہم منہ پھلائے بیٹھے رہے اور چچا مغرب تک نشانہ بازی میں مصروف رہے۔ کبھی ہاتھی مار رہے ہیں، کبھی شیر..... جب اچھا خاصا اندھیرا پھیل گیا تو ان کا شوق ختم ہوا اور ہم گھر کی طرف چل دیے..... راستے میں ہم نے چچا سے کہا،

"چچا جان! آپ اپنے کارنامے سناتے رہتے ہیں، بہادری کے، نشانہ بازی کے، عقل مندی کے، کبھی ریس کا واقعہ تو سنایا ہی نہیں۔"

یہ سننا تھا کہ چچا شروع ہو گئے ایک من گھڑت لطیفہ سنانے..... "بس بس چچا! ہم تو تب مانیں گے جب آپ ہمارے سامنے ریس لگا کے دکھائیں گے۔" ہم نے چچا کو فوراً ہی ٹوک دیا۔

"ہاں ہاں، کہو کیا چھو کر آنا ہے۔" چچا نے سینہ پھلا کر کہا۔

"ہم نے کہا، چچا جان! وہ جو تھوڑی دور لال بتی جل رہی ہے۔ وہ چھو کر آئیں تو مانیں گے کہ آپ استاد تھے۔"

"ابھی لو! میاں ابھی چھو کر آتے ہیں۔" چچا ایک دم بگٹٹ دوڑے۔

چچا تو لال بتی کی طرف دوڑے اور ہم گھر کی طرف، کیوں کہ ہم نے ایک دم صبح کوئٹہ روانگی کا پروگرام بنا لیا تھا اور ہمیں تیاری بھی کرنی تھی۔ ویسے فکر کی بات تو نہیں تھی، کیوں کہ چچا کو ہم نے جس بتی کے پاس بھیجا تھا وہ ایک جاتے ہوئے ٹرک کی بتی تھی جو چچا سے کہیں زیادہ تیز رفتاری سے بھاگا چلا جا رہا تھا اور اس کے پیچھے چچا اڑے چلے جا رہے تھے۔

اہرام مصر

شیخ محمد عمر دراز احمد، ضلع جھنگ

اہرام کا نام تو اکثر دوستوں نے سنا ہوگا۔ لیکن یہ

اہرام کب، کیسے اور کیوں بنے؟ بہت کم دوست جانتے ہیں۔ اہرام مصر وہ عظیم مقبرے ہیں جن میں قدیم مصری بادشاہوں یعنی فرعونوں کی لاشیں محفوظ ہیں۔

ان لاشوں کو انگلش میں ممیاں کہتے ہیں۔ مصری لاش محفوظ کرنے کے فن کے بڑے ماہر تھے۔ پہلے لاش کے جسم سے تمام اندرونی اعضا سوائے دل کے نکال دیے جاتے تھے، کیوں کہ ان مصریوں کے عقیدے کے مطابق روح دل میں ہوتی تھی جس کو اہراموں میں دیوتا خلاؤں سے آکر جگا دیتے تھے۔ بعد میں لاش کو نمکین پانی میں تر کیا جاتا تھا۔ اس کے بعد لاش پر مائع گندہ بروزہ لیپ دیا جاتا تھا۔ پھر لاش کو سینکڑوں فیٹ لمبے سوتی کپڑے میں لپیٹ دیا جاتا تھا۔ اس طرح لاش ممی کی صورت میں محفوظ ہو جاتی تھی۔ سائنسی ترقی کے ابتدائی ادوار میں یہ کہا جاتا تھا کہ یہ اہرام کسی دوسرے سیارے کی مخلوق نے یہاں آکر بنائے ہیں۔ مگر بعد میں رونلڈ سٹوری نامی ایک محقق نے اپنی کتاب "دی گارڈینز آف دی یونیورس" (کائنات کے سرپرست) میں لکھا ہے کہ یہ بات غلط ہے کہ ان اہراموں کو کسی دوسرے سیارے کی مخلوق نے تعمیر کیا ہے۔ ان اہراموں کی تعمیر اچانک نہیں، بلکہ بہ تدریج ہوئی ہے۔ پہلے مصری لوگ شاہی مقبرے کچی اینٹوں اور کیچڑ کی مدد سے تعمیر کرتے تھے۔ سب سے پہلے پتھریلے اہرام کی تعمیر ۲۷۸۰ قبل مسیح شروع ہوئی۔ مگر یہ اہرام اپنے ہی بوجھ تلے دب کر ٹوٹ گیا۔ اس کے بعد ۲۶۸۰ قبل مسیح یعنی سو سال بعد شاہ سینفرو کے لیے اہرام کی تعمیر شروع ہوئی۔ اس کی تعمیر میں بہتر طریقہ استعمال کیا گیا۔ اس میں اطراف سے اندر کی طرف جھکاؤ دیا گیا۔ یہ اہرام مکمل ہوا اور قائم رہا۔ اس کے بعد عظیم ترین اہرام کی تعمیر کا منصوبہ بنا۔ یہ شاہ خوفو کے لیے بنا تھا جو شاہ سینفرو کا بیٹا تھا۔ یہ اہرام عجائباتِ عالم میں شمار ہوا۔ اس کی تعمیر میں پتھر کی ۲۳ کروڑ سلیں استعمال ہوئیں۔ ہر سل کا وزن کم از کم ڈھائی ٹن تھا، بلکہ چند ایک کا وزن تو ۱۵ ٹن تک تھا۔ ۴۴۵ فیٹ اونچے اور ہر پہلو سے ۳۸۷ فیٹ چوڑے اہرام کو تیرہ ایکڑ رقبے پر تعمیر کیا گیا۔

یہ بات درست ہے کہ اسے خلائی دیوتاؤں نے تعمیر نہیں کیا۔ یہ سوال ذہن کو پریشان کرتا ہے، کیوں کہ اس وقت کوئی مشینیں بھی نہ تھیں۔ رونلڈ سٹوری نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ اہرام کی تعمیر میں استعمال ہونے والا پتھر اسوان کے علاقے سے توڑا گیا۔ توڑنے میں بارود کو استعمال کیا گیا۔ اس کا یہ علاقہ مصر کے دارالحکومت کے عین جنوب میں سوڈان کی سرحد سے دو سو کیلو میٹر دور ہے۔ پھر اس پتھر کو نیل کی لہروں پر بہا کر اس علاقے کے قریب لے جایا گیا، جہاں اہرام کی تعمیر ہونی تھی۔ درمیان میں موجود صحرا کی ریت پر سے پتھروں کو لانے کے لیے جو گاڑیاں استعمال کی گئیں ان کو غلاموں کے گروہ کھینچ کر لاتے تھے۔

اسی طرح کچھ افراد کے ذمے یہ کام تھا کہ وہ راستے کو چکنا بنانے کے لیے گاڑیوں کے آگے آگے پانی یا تیل چھڑکتے چلیں۔ اہرام کے گرد مٹی اور پتھر کے بڑے بڑے بند بنائے گئے تاکہ پتھروں کی سلوں کو بلندی تک لے جایا جاسکے۔

اس طرح یہ اہرام مکمل ہوا۔

ان اہرام بنانے کے دو مقاصد تھے۔ (۱) مزار کے طور پر استعمال کیا جاسکے۔ (۲) یہ ان کی نشانی کے طور پر عظیم کارنامے کے لحاظ سے باقی رہیں۔

عقاب

طارق عزیز، لاہور

یہ بڑا قوی اور تیز نظر پرندہ ہے۔ یہ تین انڈے دیتا ہے اور جب انڈوں سے بچے نکل آتے ہیں تو ایک بچے کو نیچے پھینک دیتا ہے۔ تین بچوں کی پرورش اسے بوجھ معلوم ہوتی ہے، اس لیے ایسا کرتا ہے اور جس بچے کو یہ نیچے پھینک دیتا ہے اس کی پرورش ایک بڑا اچھا اور رحم دل پرندہ کرنے لگتا ہے۔ اس پرندے کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ جس بچے کو لاوارث دیکھتا ہے اس کی پرورش کرنے لگتا ہے۔

عقاب کی رفتار بہت تیز ہوتی ہے۔ یہ اگر دوپہر کو عراق میں ہوگا تو شام تک یمن پہنچ جاتا ہے۔ اس کی نظر میں کمی آجاتی ہے تو اس کے بچے اسے پشت پر بٹھا کر ایک پہاڑی چشمے پر لاتے ہیں، جس میں وہ نہاتا ہے اور نہانے کے بعد پھر دھوپ میں بیٹھتا ہے۔ اس کے سارے پر و بال جھڑ جاتے ہیں اور نئے اُگتے ہیں۔ پھر وہ دوسری مرتبہ اسی چشمے میں نہاتا ہے تو اس کی جوانی لوٹ آتی ہے اور نظر بھی ٹھیک ہوجاتی ہے۔ یہ سب اللہ کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ اگر عقاب کے جگر میں کوئی خرابی پیدا ہوجائے تو خرگوش یا لومڑی کا جگر کھانے سے اس کی شکایت رفع ہوجاتی ہے۔ کسی اور پرندے کا گوشت کھاتا ہے تو اس کا دل نہیں کھاتا۔ اگر سانپ کو کھاتا ہے تو اس کا سر چھوڑ دیتا ہے۔

"حجر العقاب یعنی عقاب کا پتھر" ایک کھجور کی گٹھلی کے برابر پتھر ہوتا ہے جسے ہلانے پر اس کے اندر سے ایک خاص قسم کی آواز سنائی دیتی ہے۔ اگر اس کو توڑا جائے تو اندر کچھ نہیں ہوتا۔ یہ پتھر عقاب کے گھونسلے میں ہوتا ہے۔

مشہور واقعہ ہے کہ جب حضرت سلیمانؑ نے ہدہد کو اپنے دربار سے غیر حاضر پایا تو آپ نے عقاب ہی کو حکم دیا تھا کہ جائے اور اس کی تلاش کرے۔ چناں چہ عقاب نے اس قدر بلند پرواز کی کہ دائیں بائیں آگے پیچھے ساری دنیا کو اس طرح دیکھنے لگا جس طرح آدمی کے سامنے کوئی پیالہ رکھا ہوتا ہے۔ پھر اس نے ہدہد کو یمن کی طرف سے آتے ہوئے دیکھا اور اسے بتایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام تمھاری غیر حاضری پر ناراض ہیں اور مجھے انھوں نے تمھاری تلاش کے لیے بھیجا ہے۔

شاہِ روم قیصر نے شاہِ فارس کسریٰ کو ایک عقاب بھیجا اور اسے لکھا کہ اسے شکار کرنا سکھاؤ، یہ تمھارا بڑا اچھا سپاہی اور شکاری ثابت ہوگا۔ چناں چہ شاہ فارس نے اس عقاب کو شکار کرنا سکھایا اور ایک دن بھوکا رکھ کر جب اسے چھوڑا تو اس عقاب نے شاہ فارس کے بیٹے ہی کو پھاڑ کھایا۔ شاہ فارس نے کہا: "شاہ روم نے گھر بیٹھے بٹھائے اور بغیر لشکر کشی کیے مجھ پر حملہ کیا اور جنگ جیت گیا۔"

صحت مند نونہال

سمیع احمد چوہدری، کراچی

محمد عثمان علی، لطیف آباد

نوید ظفر انوار، کراچی

عابد نور شیخ، سکھر

فرحانہ ناظم، کراچی

محمد اکمل بلوچ، پسنی مکران

عبدالرؤف، کراچی

سید محمد طارق شاہ، شبقدر فورٹ پشاور

اورنگ زیب خاں، کراچی

رمیش کمار گھنشیام داس، میرپور خاص

خالد احسن، کراچی

زبیدہ پروین میو، حیدرآباد

محمد اسماعیل، روہڑی

احسن راحیل، حیدرآباد

نزلہ، زکام اور کھانسی

سے محفوظ رہنے کی آسان تدبیر

مناسب احتیاط برتیے۔ بروقت سُعالین لیجیے

جڑی بوٹیوں سے تیار شدہ سُعالین کا باقاعدہ اور بروقت استعمال گھر کے ہر فرد کو نزلہ، زکام اور کھانسی سے محفوظ رکھتا ہے۔ ایک دو ٹکیاں روزانہ چوسیے۔

سُعالین کے چار قُرص تیز گرم پانی میں گھول لیجیے، جوشاندہ تیار ہے جو نزلہ، زکام اور کھانسی کے لیے بدرجہا مفید ہے۔ ایسی ایک خوراک صبح و شب پیجیے۔

سُعالین

نزلہ، زکام اور کھانسی کی مفید دوا

ہمدرد

ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

نوزو
ناک کے ورم، سوزش اور بندش کے لیے مفید۔ ایک پھوار ناک کھول دیتی ہے۔

آوازِ اخلاق

وقت ایسی زمین ہے جس میں محنت کے بغیر کچھ نہیں پیدا ہوتا۔

قارئین کی عدالت

☆ میں کافی عرصے سے ہمدرد نونہال پڑھتا ہوں۔ ہمدرد نونہال ہی سے میں نے اپنے اخلاق اور کردار کو صحیح کیا ہے۔

پرنس ذاکر حسین شاہین

☆ نونہال میں دنیا بھر کی معلومات ہوتی ہیں۔ خاص کر حکیم محمد سعید کا "جاگو جگاؤ" تو بہت اثر کرنے والا مضمون ہوتا ہے۔

منیزہ فاطمہ، لاہور

☆ میں نونہال مصور میں تصویر بھیجنا چاہتی ہوں۔ اس کی کیا شرائط ہیں؟ کویتا جونیجو، ٹنڈو آدم سندھ

> پتا نہیں لکھا، جواب کیسے دیں!

☆ نونہال میں ہر مہینے ایک سائنسی مضمون ہونا چاہیے۔

محمد اکرم عالم انصاری، حیدر آباد

☆ میں بڑے شوق سے نونہال پڑھتا ہوں۔

محمد معراج، نئی کراچی

☆ نونہال ادیب میں نظم 'چھتری ہماری' بہت پسند آئی۔ کہانیوں میں ہنر دولت ہے، گڑیا، ہم چلے کہانی لکھنے، ہائے یہ دوست، بوڑھی مکھی کی بد دعا، غریبوں کے محسن اور اپنا لیا بہت ہی زیادہ پسند آئیں۔

ثمرہ حمید دستی، کراچی

☆ اس مرتبہ یہ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی کہ نونہال پڑھنے والوں میں بہنوں کی تعداد بھی کچھ بڑھی ہے۔ نونہال کا سرورق بہت زبردست قسم کا تھا۔ نونہال ادیب میں کافی ساری تحریروں کی شمولیت سے خوشی ہوئی۔ کامران بلوچ صنم، اوکاڑہ

> "کافی ساری" نہیں لکھتے "بہت ساری" لکھنا اور کہنا صحیح ہے۔

☆ حکیم صاحب کا "جاگو جگاؤ" پڑھ کر دل میں مسرتوں کے پھول کھل اٹھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی تحریک "آوازِ اخلاق" کو اور ترقی دے۔

دسمبر کا نونہال ایک کہکشاں کی مانند تھا۔ سرورق بہت ہی اعلا تھا اور کہانیوں کا معیار زبردست تھا۔ حبیب الرحمٰن میمن، ٹنڈو آدم

☆ دسمبر کا نونہال بہت پسند آیا۔

ہما ناز عبدالسلام، کراچی، وقاص عزیز شیخ، فیصل آباد

☆ معراج صاحب کی تحریریں تو ویسے بھی اچھی ہوتی ہیں، مگر بھوتوں کی بستی بہت اچھی رہی۔ فیض رسول انجم، آہدی شریف

☆ دسمبر کا نونہال پڑھ کر بڑی کوفت ہوئی۔ سوائے "جاگو جگاؤ" پہلی بات اور علامہ دانش کے سفر نامے کے، نونہال میں کچھ تھا ہی نہیں۔ کہانیاں بالکل بور تھیں۔ لطیفے تو بالکل گھٹیا اور پرانے تھے اور اب "تحفے" بھی اب اپنا رنگ کھوتا جا رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ آپ لوگ اب نونہال پر بالکل توجہ نہیں دیتے ہیں۔

سعید عالم، جامشورو، حیدر آباد

☆ سرورق لاجواب تھا۔ قائداعظم پر مضمون بہت اچھا تھا۔ جاگو جگاؤ ہمیشہ کی طرح بہت منفرد لگا، لیکن اس مرتبہ لطیفے اچھے نہیں تھے۔ حمیرا ناز، سکھر

☆ کہانیاں بس اچھی ہی تھیں مگر "بے وفا کون" موٹا کنول اور علامہ دانش کا سفرنامہ "بھوتوں کی بستی" سب پر برتری لے گئیں لطیفے سب بہترین تھے۔ نونہال ادیب میں "چڑیوں کا پیغام" نظم بہت پسند پسند آئی۔ اقصیٰ محفوظ، بہاول پور

☆ لطیفے بہت مزے دار تھے اور بالکل نئے تھے۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے کوئی چیز نقل شدہ نہیں تھی۔ راحلا رشید، کوئٹہ

☆ میں شکر گزار ہوں اپنے دوست شفیق کا جس نے مجھ سے نونہال رسالے جیسے خزانے کا تعارف کرایا۔

شاہد لقمان ناگوری، جھڈو

☆ سرورق نہایت خوب صورت تھا۔ آیندہ آپ اسی قسم کے سر ورق شائع کیا کریں اور ان کے بارے میں معلومات بھی لکھا کریں تاکہ ہم بھی اپنی معلومات بڑھائیں۔ نعیم احمد، کراچی

☆ کہانیوں میں سمندر ہار گیا، جاڑے کی ایک رات، عجیب طالب علم اور بے وفا کون اچھی تھیں۔ جناب مشیر صدیقی بہت اچھی تصویریں بناتے ہیں۔ راجا دقاص حیدر، ماریا گل، گلناز گل، حفصہ گل، ٹنڈو محمد خان

☆ نازک صاحب کا بکرا اور بھوتوں کی بستی بے حد پسند آئیں۔

محمد جاوید اختر انصاری، کراچی

☆ جاگو جگاؤ، خیال کے پھول اور سمندر ہار گیا بہت پسند آئیں باقی کہانیاں بھی بہت عمدہ تھیں۔ میری عمر ۱۰ سال ہے۔ کیا آپ صحت مند نونہال میں میری تصویر شائع کریں گے؟ صلاح الدین، کراچی

اگر واقعی دس سال سے زیادہ عمر نہیں ہے اور صحت بھی اچھی ہے تو ضرور شائع کریں گے، لیکن کوئی سال بھر لگ جائے گا، کیوں کہ بہت تصویریں جمع ہیں۔

☆ مسعود احمد برکاتی صاحب کی پہلی بات اور جاگو جگاؤ بہت پسند آئے۔ نعیم خان، لطیف آباد

☆ "ہار سنگھار کی خواہش" اور "جاڑے کی ایک رات" کہانیاں بہت اچھی لگیں۔ محمد سعد مغل، بیلہ

☆ لطیفے مزے دار تھے نظم اخلاق (قمر ہاشمی)، ناز صاحب کا بکرا (رؤف پاریکھ)، بے وفا کون (موناکنول)، سمندر ہار گیا، عجیب طالب علم (محمد ساجد اقبال) اور چھوٹی کہانیاں پسند آئیں۔

شہزاد اطہر، جھڈو

☆ اب پتا چلا کہ قارئین کی عدالت صرف بڑوں کے لیے ہے چھوٹوں کا تو صرف نام دے کر مطمئن کر دیا جاتا ہے۔ احمد علی زرگر، سانگھڑ

جی ہاں بڑے صاحب! صرف آپ کے لیے ہی ہے۔

☆ ٹائیٹل کی تصویر بہت ہی خوب صورت تھی۔ کہانیوں میں "نازک صاحب کا بکرا" "بے وفا کون" "جاڑے کی ایک رات" اور "بھوتوں کی بستی" بہت ہی پسند آئیں۔ "سمندر ہار گیا" نے بہت متاثر کیا۔ لطیفے بہت ہی چٹ پٹے تھے۔ "نونہال ادیب" کی تمام تحریریں بہت ہی دل کش تھیں۔ اورنگ زیب عالمگیر، سڈھانڈی

☆ آپ نے ہمدرد نونہال میں علامہ دانش کے سفرنامے (معراج) کی ایک کہانی ہر ماہ شائع کر کے نونہال کو چار چاند، بلکہ ۱۶ چاند لگا دیے ہیں۔ نوید الرحمٰن، کراچی

☆ بزم ہمدرد نونہال کی تقریب کی روداد میں تصاویر زیادہ، بلکہ بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ عاصم مسعود علی، کراچی

جناب حکیم محمد سعید صاحب کا جاگو جگاؤ پہلے کی طرح بے مثال رہا۔ حافظ خضر حیات فروکہ، سرگودھا

☆ لطائف اور نظمیں خوب تھیں۔ سیمرہ بینا خان، کراچی

☆ "پہلی بات" نے سوچنے پر مجبور کر دیا کہ واقعی سال یا وقت کا کوئی قصور نہیں۔ قصور استعمال کرنے والوں یعنی ہمارا ہے کہ فضول کاموں میں اس کو ضائع کر رہے ہیں۔

گل شیر علی سنی (بنگش)، پشاور صدر

☆ حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ اور خیال کے پھول پسند آتے۔ بزرجمہر، راولپنڈی، فرحین فاطمہ نہور، پیر جو گوٹھ

نونہال ایک خوب صورت اور معیاری رسالہ ہے۔ اس کا معیار اب مزید بہتر ہو گیا ہے۔ نعیمہ ممتاز، کراچی

☆ طب کی روشنی میں بہت اچھا معلوماتی کالم ہے۔

ریاض الدین، لس بیلہ بلوچستان

☆ کہانیاں، بے وفا کون، جاڑے کی ایک رات اور عجیب طالب علم بہت اچھی تھیں۔ رخسانہ خمار اور زبیدہ خانم، بھریا

☆ ہمارا نونہال دن بدن نکھرتا جا رہا ہے اور چھپتے جا رہے ہیں کہ ہمارا نام کیوں نہیں چھپتا۔ ملک اورنگ زیب، سڈھانڈی

کیا ملک اورنگزیب تمھارا نام نہیں ہے؟

☆ کہانیاں بہت مزے دار تھیں "علامہ دانش کے سفرنامے" بہت اچھا سلسلہ ہے۔ محمد عرفان میمن سکھر، شاہد شفیق، جھڈو

☆ دسمبر کا شمارہ بہت پسند آیا۔ خاص طور پر علامہ دانش کے سفرنامے۔ اگر میں کوئی نظم اپنے والد کی تصدیق کے ساتھ بھیجوں تو کیا شائع کر دیں گے؟

مبشر علی زیدی، کراچی

تصدیق تو ہیڈ ماسٹر صاحب یا پرنسپل صاحب ہی کی ضروری ہے۔ ویسے ابھی چھ مہینے تک کوئی نظم نہ بھیجیے، کیوں کہ ہمارے پاس کم سے کم دو سال کے لیے نظمیں جمع ہیں۔

☆ نونہال اتنا خوب صورت رسالہ ہے کہ ایک بار پڑھو تو ہاتھ سے

چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ صداقت شاہ، کراچی

☆ بے وفا کون، موناکنول، نقل شدہ کہانی تھی۔ نونہال ادیب میں رَس گُلے بڑے مہنگے پڑے۔ (نزہت فاطمہ، کراچی) اور ناانفاقی کا انجام (شائستہ) نقل شدہ تھیں۔ فرزانہ عزیزالرحمٰن، میرپورخاص

☆ ہم چھے بھائی آپ سے سخت ناراض ہیں، کیوں کہ ہم جب بھی آپ کو خط لکھتے ہیں تو آپ ہر بار صرف ہمارے نام شائع کر دیتے ہیں۔ عجب خان، داؤد خان، لاہور خان، خان نواب، شاہد اور سعید مراد، کراچی

لیجیے اب تو خط بھی شائع ہو گیا۔ محلے میں مٹھائی بانٹو۔

☆ میں اور مجھ سے زیادہ شوق سے میری بہن نونہال رسالہ پڑھتی ہے، بلکہ پہلے خود ختم کر لیتی ہے۔ پھر مجھے پڑھنے کے لیے دیتی ہے۔ فاران قیصر، گوجرانوالہ

☆ نازک صاحب کا بکرا، بزمِ ہمدرد نونہال، بار سنگھار کی خواہش بہت خوب تھیں۔ ایم اکمل شاکر، پسنی بلوچستان

☆ سرورق پر رد بن کی تصویر پسند آئی۔ جاگو جگاؤ ہر دفعہ کی طرح اپنی مثال آپ تھا۔ پہلی بات بھی خوب صورت تھی۔ کہانی 'بے وفا کون' کچھ خاص نہ تھی۔ جناب عتیق الرحمٰن کا مضمون 'میانہ روی' دل کی گہرائی تک پہنچ گیا۔ عامر شمیم، لاہور

☆ جاگو جگاؤ تو پھر جاگو جگاؤ ہی تھا نصیحت آمیز، نیک مشورہ اور صبر کی تاکید تھی۔ سرورق بے حد دل کش تھا اور اس کی کہانی بھی معلوماتی تھی۔ مضمون قائداعظم معیاری تھا۔ کہانیوں میں سے پہلا نمبر میں "عجیب طالب علم" کو دوں گا۔ دوسرے نمبر پر کہانی "بے وفا کون" ہے۔ یہ کہانی ہمارے موجودہ معاشرے کی عکاسی کرتی ہے۔ بس فرق یہ ہے کہ اس کہانی میں جانور کے ساتھ بے انصافی ہوئی تھی، جب کہ ہمارے معاشرے میں انسانوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ دوسری کہانیوں میں بار سنگھار کی خواہش، جاڑے کی ایک رات اور سندباد گیا اچھی رہیں۔ میرے خیال میں نازک صاحب کا بکرا ایک بے معنی سی کہانی ہے۔ اس کی جگہ کوئی بامقصد سی کہانی ہونی چاہیے تھی۔ نظموں میں "اخلاق" سب سے اچھی رہی۔ لطیفے پرانے تھے۔ نونہال ادیب میں سے "رس گلے مہنگے پڑے" ایک بے حد اچھی کاوش تھی۔ "تحفے" پسند آئے۔ سید عرفان حیدر عابدی، کراچی

☆ میں آپ نونہال والوں کی نظر میں کہانی لکھنا نہیں جانتا، نظم لکھنا نہیں جانتا، کوئی اچھی بات کہنا نہیں جانتا۔ آپ نے نہ جانے اب تک میری کتنی ہی تحریروں کو ناقابلِ اشاعت بنا دیا ہے۔ اس لیے اب میں نے کہانی اور نظم لکھنا بند کر دی ہے۔ اب آپ خوش ہوں گے۔ آپ خود سوچیں اگر آپ ہماری تحریریں نونہال میں شائع نہیں کریں گے تو ہم بڑے آدمی کیسے بنیں گے۔ اگر ہم بڑے آدمی نہ بنے تو ہم پر یہ ظلم ہوگا۔ اچھا آپ ایسا تو کر سکتے ہیں نا کہ جب آپ کو کہانی کی ضرورت ہو آپ مجھے ایک ماہ پہلے سے بتا دیں۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ کہانی میری بہترین کہانی ہوگی۔ میں آپ کے خط کا انتظار کروں گا۔

ارشد علی ارشی، کراچی

☆ نونہال ہملا بہت پیارا دوست ہے۔ ہر مہینے خوشیاں ہی خوشیاں لاتا ہے۔ ہمدرد نونہال کم قیمت والا رسالہ ہے۔ نازک صاحب کا بکرا، بار سنگھار کی خواہش اور جاڑے کی ایک رات کہانیاں پڑھ کر ہم میں بھی کوئی کارنامے کرنے کی خواہش پیدا ہوئی۔

سلمیٰ ثناءاللہ، دولت پور صفن

☆ اب پرانے لکھنے والے بہت کم لکھتے ہیں۔ نئے لکھنے والے پورے نونہال پر قابض ہوتے جا رہے ہیں۔ نازک صاحب کا بکرا، دُھن کے پکے قائداعظم، بار سنگھار کی خواہش اور جاڑے کی ایک رات پسند آئیں۔ موناکنول کی کہانی بے وفا کون نقل شدہ تھی۔ قائداعظم پر نظمیں اور مضامین بھی اچھے تھے۔ نونہال ادیب اب ذرا بہتر ہو گیا ہے۔ "تحفے" لاجواب تھے۔ قارئین کی عدالت میں ایک صاحب ساجد احمد خان نے لکھا ہے کہ اکتوبر کے مہینے میں نظموں کے نقل شدہ ہونے کے تمام ریکارڈ ٹوٹ گئے۔ تو میرا اُن سے یہ کہنا ہے کہ بھیا ذرا عقل استعمال کریں۔ اب تو ساری کہانیوں پر پسند لکھا ہوتا ہے۔ یہ نہیں لکھا ہوتا کہ یہ ان کی اپنی ہے۔ پھر نقل شدہ ہو تو سزا تو نہیں مل سکتی، کیوں کہ نونہال کا یہ قانون ہے۔ حفصہ خانم، کراچی

☆ سال کے آخری مہینے کے شمارے میں کہانیاں سب لاجواب تھیں۔ محمد اختر کو بھر اور محمد عصمت اللہ کو بھر، بستی ملائس کامل کو بھر

☆ نونہال ہمیشہ سے ہی ایک اچھا رسالہ ہے جس میں معلومات کا

سمندر بہت روانی سے بہتا ہے۔ فوزیہ تحسین، ملیر ہالٹ

☆ نونہال کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں نئے لکھنے والوں کو موقع دیا جاتا ہے۔ شام داس کھتری، کوٹ غلام محمد

☆ اگر نونہال کی تعریف کی جائے تو یہ خوبیوں کا مجموعہ ہے۔

نعیم یوسف، کراچی

☆ سال کا آخری شمارہ بہت خوب صورت تھا۔ سب کہانیاں، لطیفے، چٹکلے اور اقوال زریں اچھے تھے۔ سید عرفان احمد زیدی، سکھر

☆ دسمبر کے شمارے میں نازک صاحب کا بکرا (رؤف پاریکھ) عجیب طالب علم (محمد ساجد اقبال) اور تحفے میں "غیبت کا بدلا" شتاق احمد، "عظمت" فرح رحمٰن "گڑوی گڑیاں" محمد جنید بہت پسند آئیں۔

طیب شاہ، احمد شاہ، نعمان شاہ عرف نومی، پسنی

☆ اب میں آپ کو یہ پانچواں خط بھیج رہا ہوں اگر آپ نے یہ خط بھی شائع نہیں کیا تو میں نونہال کو کبھی ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔

عطاء الرحمٰن، کراچی

میاں، اب دستانے پہن کر ہاتھ لگانا۔

☆ نظم اخلاق بے حد پسند آئی۔ فیصل احمد عباسی، جھنگ صدر

☆ کیا ہم ایک لفافے میں دو یا زائد معلومات عامہ کے جواب بھیج سکتے ہیں؟ عارف عقیل، کراچی

جی ہاں، الگ الگ کاغذ پر اور ہر ایک پر پورا پتا لکھ کر۔

☆ نونہال میرا پسندیدہ رسالہ ہے اس میں بہت اچھی اچھی باتیں ہوتی ہیں۔ اکبر حمید، کراچی

☆ کہانیوں میں نازک صاحب کا بکرا، عجیب طالب علم اور سمندر ہار گیا بہت پسند آئیں۔ رضوان حسین، کراچی

☆ نونہال ہمارا من پسند رسالہ ہے۔ اس رسالے کو اگر پھولوں کا گلدستہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

ندیم احمد قریشی، ٹنڈو جان محمد تھرپارکر

☆ اکتوبر تا دسمبر کے شمارے بہت اچھے لگے۔

محمد شریف، حیدر آباد

☆ نونہال کا سرورق بہت ہی عمدہ تھا کہانیاں بھی بہترین تھیں خصوصاً جناب معراج کی کہانی "بھوتوں کی بستی" بہت اچھی تھی۔

یار محمد خان اور محمد سلیم شبراکی، کوہاٹ

☆ دسمبر کا نونہال ملا جو سوچا تھا وہی پایا۔ ریاض احمد، جھڈو

☆ روبن کے بارے میں پڑھ کر معلومات میں اضافہ ہوا۔ سب کہانیاں اور نظمیں اچھی تھیں۔ شائستہ عبدالستار، کراچی

☆ سرورق نہایت ہی شان دار اور خوب صورت تھا۔ لال چڑیا۔ روبن کے بارے میں پڑھ کر اچھی معلومات حاصل ہوئی۔ نونہال ادیب میں "رس گلے بڑے مہنگے پڑے" بہت ہی اچھی تھی۔ رابعہ صغیر کی کہانی "گڑیا" سے ہمیں بہت اچھا سبق ملتا ہے۔ نظموں میں "چڑیوں کا پیغام" اور "دعا" بہت اچھی تھیں۔ لطیفے تمام اچھے تھے۔

شاہ رخ حبیب اور ماہ رخ حبیب ٹھٹھہ

☆ سرورق ہلکے رنگوں اور روبن کی وجہ سے بہت پسند آیا۔ معراج صاحب کا علامہ دانش کے سفرنامے والا سلسلہ بہت خوب ہے۔

روبینہ فرید، کراچی

☆ نونہال بچوں کے لیے بے حد مفید ہے جس میں بچوں کو اپنی تعلیم جاری رکھنے کی تاکید کی جاتی ہے۔ بچوں کے عالمی دن نے نونہال میں ایک نئی جان ڈال دی۔ نونہال تو ایک کلاس کی مکمل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔ منیر احمد ارشد، کراچی

☆ سال ۱۹۸۷ء کا آخری شمارہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس بار سرورق تو بہت ہی خوب صورت ہے۔ جاگو جگاؤ حسب روایت پہلے نمبر پر رہا۔ تمام کہانیاں بہترین تھیں۔ نظموں میں "اخلاق" اور "قائد اعظم" اچھی تھیں۔ مقبول احمد قریشی، پپلاں

☆ مجھے دسمبر کا نونہال بے حد پسند آیا۔ یہ مجھے گلاب کی خوش بو کے ساتھ ملا۔ فیض الرحمٰن کو بھر، کوٹ سنٹرل

☆ میں ہمدرد نونہال بڑی دل جمعی سے پڑھتا ہوں اور اس سے اپنے تعلیمی کیریئر کو اچھے انداز سے ڈھال رہا ہوں۔

رب نواز خاں، تری خیل

☆ میں نے نونہال سے بہت کچھ سیکھا، سمجھا اور عمل بھی کیا۔

حافظ محمد اکرم سیالوی، چاہ سیالاں

☆ سرورق بہت پیارا تھا۔ آنسہ مونا کنول کی کہانی بے وفا کون اور نونہال ادیب میں غریبوں کے محسن، لبنیٰ ارشاد قریشی اور محمد سہیل جمیل

احمد کی پسند کردہ دعا پسند آئی۔ جاگو جگاؤ نے گہرا تاثر چھوڑا۔ لطیفے لاجواب تھے۔ نونہال مصور میں عروس السحر (پرانا سکھر) ٹنڈو جام کی شائستہ قیوم مغل اور گوادر کے محمد رفیق زاہد کی بنائی ہوئی تصاویر پسند آئیں۔ بزم آرا، شہداد پور

☆ سرورق نے تو اس میں چار چاند لگا دیے تھے۔ جاگو جگاؤ (حکیم محمد سعید) اور پہلی بات (مسعود احمد برکاتی) پڑھنے کے قابل تھے۔ کمال حسین، تربت

☆ موناکنول کی کہانی بے وفا، کون پہلے موناکنول کے نام سے ہی اخبار جنگ میں چھپ چکی ہے۔ محمد سلمان حسن، کراچی

☆ بے وفا کون (موناکنول) کا ایک ایک لفظ نقل شدہ تھا اور رس گلے بڑے مہنگے پڑے بھی نقل شدہ تھی۔ محمد ساجد ادریس

☆ مجھے سب سے اچھی کہانی رؤف صاحب کی "نازک صاحب کا بکرا" لگی ہے۔ محمد عظیم ثمر، کراچی

☆ میں آپ کا رسالہ بڑے شوق سے پڑھتا ہوں۔

محمد یوسف رند، ٹھٹھہ

☆ لطیفے ہر بار کی طرح اس دفعہ بھی بور تھے۔ شازیہ عبدالقدوس

☆ جاگو جگاؤ اور پہلی بات پسند آئے۔ لطیفے بھی اچھے تھے۔

جارج شبی، کراچی

☆ نونہال ادیب میں فرزانہ ناز میمن کی لکھی ہوئی کہانی بانٹے یہ دولت بہت پسند آئی۔ حکیم محمد سعید صاحب کا لکھا ہوا "جاگو جگاؤ" انسان کو انسان بنانے کے لیے کافی ہے۔ شوکت اللہ صدیقی، کراچی

☆ کہانیاں، لطیفے، جاگو جگاؤ اور پہلی بات بہت مزے دار تھے۔

سمیرا ناز، ملیر کالونی

☆ آپ سوالات ذرا آسان دیا کریں۔ آپ باہر کے ملکوں کے بارے میں پوچھتے ہیں جن کا ہمیں صحیح علم نہیں ہوتا۔

سعید احمد، لانڈھی کراچی

☆ سرورق معلوماتی تھا۔ محمد اقبال چنا، خیر پور میرس

☆ نونہال کو پڑھ کر ساری تھکن دور ہو جاتی ہے۔

روی شنکر اُگرانی، سامارو شہر

☆ سب کہانیاں اچھی تھیں۔ محمود محمد اشرف، کراچی

☆ اس ماہ کے شمارے کی ہر چیز لاجواب تھی۔ ارشد ملک، کراچی

☆ لال چڑیا کے بارے میں مضمون بہت دل چسپ اور معلوماتی تھا۔ کہانیوں میں موناکنول کی 'بے وفا کون' اور فاطمہ افشاں کی بارسنگھار کی خواہش، پسند آئیں۔ نونہال ادیب میں شائستہ راؤ کی 'نااتفاقی کا انجام' اور لبنیٰ ارشاد کی غریبوں کے محسن، قابل تعریف تحریریں ہیں۔

محمد حسن رضا گوندل، منڈی بہاؤ الدین

☆ نونہال رسائل کے چمن میں ایک ایسا پھول ہے جس کی پیاری پیاری مہک ہر ایک کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے اور جس کا چہرہ لوگوں کی تحریروں کی شبنم سے دُھل کر مزید نکھر جاتا ہے اور ہر ماہ اس پر ایک نئی بہار آجاتی ہے۔ نظم پارہ نظمی، شہداد پور

☆ خیال کے پھول میں رسول اکرمؐ کی احادیث اور صحابہ کرامؓ کے اقوال مجھے بہت پسند ہیں۔ ہمارا سرورق (لال چڑیا۔ روبن) نے معلومات میں اضافہ کیا۔ عبدالصمد صابری، چمن بلوچستان

☆ انکل! اس بار تو کہانیاں اچھی نہ تھیں۔ سرورق بہت اچھا تھا۔

علی محمد عابد، چکڑالہ

☆ نونہال کا سرورق بہت پسند آیا۔

سجاد خورشید عالم اور صائم خورشید، کراچی

☆ بزم ہمدرد نونہال کی تقریب میں آپ نے فرمایا ہے کہ ہمیں چاہیے کہ ہم پاکستان کو خوشحال بنائیں۔ میں یہ عرض کرنا چاہتی ہوں کہ آپ بچوں اور میری عزیز ساتھیوں کو یہ ہدایت فرمائیں کہ وہ صرف اور صرف اپنے عزیز وطن پاکستان کی چیزوں کو استعمال کریں اور بیرونی ممالک کی چیزوں کو ترجیح نہ دیں۔ ایسا کرنے سے ہمارا ملک ضرور ترقی کرے گا اور خوش حالی ہمارے قدم چومے گی۔

بتول زہرا، کراچی

☆ اگر آپ نے میرا یہ خط نہیں چھاپا تو میں پھر کبھی بھی خط نہیں لکھوں گی، بلکہ میں نونہال پڑھنا ہی چھوڑ دوں گی۔

بشریٰ انور، کراچی

☆ اس ماہ کا حسین پھولوں اور بھینی خوش بوؤں والا گلدستہ بہت پسند آیا۔ جاگو جگاؤ تو نمبر لے گیا اور پہلی بات نے بے حد متاثر کیا۔

کنیز فاطمہ مغل، شہداد پور

معلوماتِ عامّہ کے جوابات

سلسلہ ۲۶۰

۱۔ حضرت بلال حبشیؓ دمشق میں دفن ہیں۔

۲۔ حضرت داوٗد علیہ السلام کے ہاتھ میں لوہا نرم ہو جاتا تھا۔

۳۔ محمد تغلق کا اصل نام جونا خان تھا۔

۴۔ سنسکرت ایک زبان ہے۔ اس لفظ کے معنی آراستہ، پیراستہ اور پُر تکلف کے ہیں۔

۵۔ دنیا کا سب سے طویل اور سیدھا ساحل کاکسز بازار بنگلہ دیش میں ہے۔

۶۔ یورپ اور امریکا کے درمیان بحرِ اوقیانوس حائل ہے۔

۷۔ پنجاب کا عوامی رقص بھنگڑا ہے اور صوبہ سرحد کا عوامی رقص خٹک ہے۔ یہ رقص پہلے صرف خٹک قبیلے میں تھا، لیکن اب سب پٹھانوں میں مقبول ہے۔

۸۔ رچرڈ ایم نکسن امریکا کے وہ واحد صدر ہیں جنھوں نے استعفا دیا تھا۔

۹۔ عصمت چغتائی اُردو ادب کی جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ مرزا عظیم بیگ چغتائی بھی اُردو ادب میں ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ یہ دونوں آپس میں بہن بھائی ہیں۔

۱۰۔ یورپ کے طویل ترین دریا کا نام دولگا ہے جو روس میں واقع ہے۔

دس صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی

شارق شمیم
محمد فاروق
عاصم عبدالحمید بٹ
پرویز احمد حسین
خُرّم عبدالحمید بٹ
پرویز خان اشرف

سانگھڑ

محمد امین سیف الملوک
فرید احمد قریشی
اکبر علی رضوی
غلام رسول پارس
محمد یونس سنی
ندیم عمر یوسف زئی

مختلف شہروں سے

عبدالحمید یوسف زئی
غلام نبی منصوری
شاہد نذیر آرائیں

نظم پارہ تنلی، شہداد پور
محمد طاہر آرائیں ، سنجھورو
جنید احمد گاد ، خیرپور میرس

نو صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی
محمد مصعب مجاہد
شہناز صدیق
حنا قمر
مدثر مقصود
محمد اظہر علی

نعیم احمد ابدالی
محمد رضوان علی
صدیق محمد
ناصر احسن خان
مرزا عارف عقیل
جاوید عبدالکریم

عبدالرزاق ندیم
اخلاص یونس
مختلف شہروں سے
پرنس محمد حنیف خانزادہ، نواب شاہ
جمشید احمد گاد ، خیرپور میرس
بشریٰ نقوی ، نواب شاہ

سارے بچوں کی پہلی پسند!

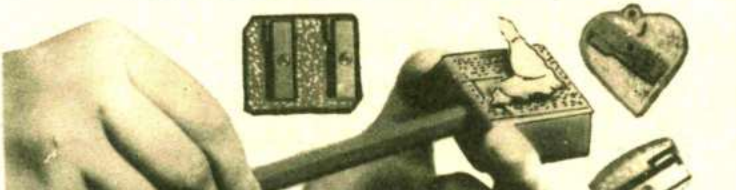

گارنٹی کے ساتھ پینسل کی نوک نہیں توڑتے
انڈس شارپنر

اس شمارے کے مشکل الفاظ

مقدور بھر	مَق دُور بھر	جہاں تک بس چلے۔
محویت	مَح وِیَت	محو ہونا۔
عداوت	عَ دَا وَت	دشمنی۔
غصب	غَصَب	زبردستی لینا، چھین لینا۔
سنگ پارہ	سَنگ پارا	پتھر کا ٹکڑا
جور و جفا	جَور جَفا	ظلم وستم
نگہ دار	نِ گہ دار	نگہ بان، نگراں، محافظ، چوکیدار
خجل	خَ جِل	شرمندہ
ساگر	سَا گَر	سمندر
جری	جَ رِی	جُرأت والا، دلیر، بہادر
مستشرق	مُس تَش رِق	مشرقی علوم کے ایسے ماہرین جو خود مشرقی نہ ہوں۔
منبع	مَم بَع	پانی کے نکلنے کی جگہ، چشمہ سوتا، نکلنے کی جگہ۔
اختصاص	اِخ تِ صَاص	خصوصیت رکھنا، خصوصی مہارت
آفاق	آ فَاق	دنیا، جہاں
نوعمر	نَو عُمر	نوجوان، کم عمر آدمی
ڈھور ڈنگر	ڈھور ڈن گر	مویشی

تحلیل	تَح لی ل	حل کرنا، کسی چیز کے حصوں کو الگ الگ کرنا
قدرت	قُد رَت	طاقت، زور، مجال، اختیار، دسترس، اللہ کی شان۔
پاداش	پَا دَاش	سزا، جزا، بدلا۔
زار و قطار رونا	زَا رُو قِ طَار رو نا	بہت رونا، زار زار رونا
کارستانی	کَا رِس تَا نِی	چالاکی، سازش، ہوشیاری، شرارت
خیرہ	خی رَہ	تاریک، بے حیا، بے باک
غازی	غَا زِی	کافروں سے لڑنے والا، کفّار کو قتل کرنے والا، مسلمان بادشاہوں کا خطاب، گھوڑا
طبیب	طَ بِی ب	حکیم، ڈاکٹر، معالج، بیماری کا علاج کرنے والا۔
مخروطی	مَخ رُو طِی	گاؤدم، گاجر کی وضع کا، ایسی چیز جو سر کی طرف سے چوڑی اور پیندے کی طرف سے پتلی ہوتی چلی جائے۔
نالا	نَا لا	پانی باہر نکالنے کا راستہ، چھوٹی ندی
نالہ	نَا لَہ	رونا، شور، فریاد

نونہالانِ وطن کی تن درستی کا ایک اور نکتہ!

اچھی صحت کا ایک نکتہ یہ ہے کہ مسوڑھے صحت مند ہوں تاکہ دانت مضبوط ہوں۔ دانت صاف ہوں تاکہ وہ موتیوں کی طرح چمکیں۔

تن درستی کا ایک اور نکتہ یہ ہے کہ ہر دن صبح اٹھتے ہی اور ہر رات سونے سے پہلے نونہال ٹوتھ پیسٹ سے دانتوں کو صاف کریں۔

سونف، پودینہ سے بنا ہوا، اور گلِ آب میں بسا ہوا۔

ہمدرد

نونہال ٹوتھ پیسٹ

نازک دانتوں کے لیے نازک ٹوتھ پیسٹ

انسان دوست، جہاں دوست

ہمدرد

ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

بلو بینڈ مارجرین — غذائیت اور لذت سے بھرپور

بچوں کو توانائی کا خزانہ چاہیے۔ اپنے بچوں کو بلو بینڈ دیجیے کیونکہ
بلو بینڈ بچوں کی بہترین نشوونما کرنے والی غذا کا ایک اہم حصہ ہے۔ غذائیت
اور لذت سے بھرپور بلو بینڈ میں وٹامن اے اور ڈی شامل ہیں۔
بلو بینڈ کو ڈبل روٹی کے سلائس یا بن پر لگا کر دیجیے،
آپ کے بچے اس کو بہت پسند کریں گے۔
جی ہاں! بلو بینڈ نے صحت کو لذت کی شکل دی ہے۔

بلو بینڈ مارجرین
خاندان کی چاہت بھری نگہداشت کے لئے

IBM C 9.85 UD

PLINTAS